جنّاتُ

حصہ اوّل

رئیس امروہوی

رئیس اکاڈمی

مانک جی اسٹریٹ. گارڈن ایسٹ. کراچی ۳
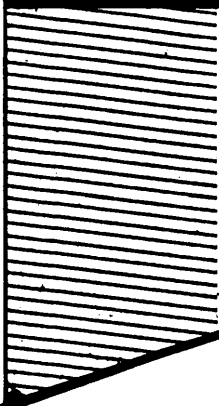
جنّات
حصّہ اوّل
رئیس امروہوی
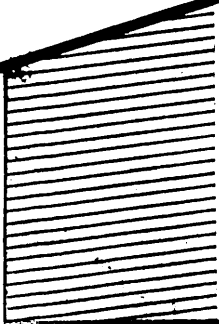
سلسلہ

نفسیات و مابعد النفسیات

(ادارۂ منعرف نفسہ)

جنّات

قیمت: ● روپے

پہلا ایڈیشن :	ستمبر ۱۹۷۳ء
دوسرا ایڈیشن :	اگست ۱۹۷۴ء
تیسرا ایڈیشن	نومبر ۱۹۷۵ء

پرنٹر

(آغاز پرنٹرز کراچی)

رئیس اکاڈیمی

گارڈن ایسٹ۔ کراچی ۳

فون نمبر: ۷۰۷۳۳ - ۵۵۶ ۷۰

○

محمد عرفان کراچی لکھتے ہیں کہ :

میں پرسوں یعنی اتوار (۲۹ ستمبر ۱۹۶۸ء) کو چند دوستوں کے ساتھ ٹھٹھے گیا تھا۔ وہاں چند مشہور مزارات ہیں مثلاً عبداللہ اصحابیؒ کا مزار، شاہ فیصل کا مزار اور مائی مکلیؒ کا مزار! میں یہاں صبح سے رات کے آٹھ بجے تک رہا۔ کچھ لوگوں کو عجیب وغریب حالت میں دیکھا۔ مثال کے طور پر ایک کمزور دبلا پتلا سا لڑکا۔ جس کی عمر سولہ سترہ برس کی ہوگی، کبھی عبداللہ اصحابیؒ کے مزار کی طرف آتا۔ کبھی شاہ فیصل کی قبر کی طرف اور چیخ چیخ کر چلا چلا کر کہتا کہ :

"بادشاہ مجھ کو چھوڑ دے۔ میں تھک گیا ہوں۔ بادشاہ اسے جلا دے۔ یہ مجھے آٹھ سال سے پریشان کر رہا ہے۔ بادشاہ اسے تو نے بھگا دیا تھا۔ اس نے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ یہ پھر آگیا۔ مجھے حکم دے دے بادشاہ! میں اسے جلا کر راکھ کر دوں۔ مجھ سے اتنی لمبی حاضری نہیں دی جاتی بادشاہ! یہی الفاظ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ اس کے منہ سے برابر نکل رہے تھے۔ یہ اپنا سر ٹپکتا، تپتی ہوئی زمین پر ٹخنیاں کھاتا اور حال سے بے حال ہو جاتا۔ کم زور بے قرار لڑکے کی ماں نے بتایا کہ اس کے سر پر جن آگیا ہے اور یہ سب کچھ جن کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکا ہوش میں آیا تو میں نے اسے

اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تم۔ کیا کام کرتے ہو؟ کہنے لگا قالین بافی کا کام کرتا ہوں۔
اس کام میں تمہیں کتنی آمدنی ہو جاتی ہے؟
کہنے لگا، پانچ روپے روز۔ پھر اس نے واقعہ سنایا کہ میں کیرم کا چیمپئن ہوں۔
اس کھیل میں مجھے انعامات بھی ملے ہیں اور میرے فوٹو کیرم کلب میں لگے ہوئے ہیں۔ جب ابا کو میرے
اس شوق کا پتا چلا تو انہوں نے بہت مارا پیٹا۔ ان کی مار پیٹ سے میرے دماغ پر بہت
برا اثر پڑا۔ والد صاحب نے بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا۔ انہوں نے دماغی آپریشن کی رائے
دی۔ مگر والد صاحب دماغ کا آپریشن کرانے پر راضی نہ ہوئے۔ اب میرا یہ حال ہے جو آپ
نے دیکھا۔ محمد عرفان صاحب کا بیان ہے کہ:
میں اس تماشے کو خود ساختہ سمجھ لیتا۔ اگر اور دو بچیوں کو اس حال میں گرفتار نہ
پاتا۔ ان میں سے ایک بچی کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ دوسری کی آٹھ سال کی! یہ دونوں بچیاں
بھی اس جن گرفتہ بچے کی طرح بے ساختہ چیختی چلاتی تھیں۔ کبھی عبداللہ اصحابیؓ کے مزار کی
طرف دوڑتیں۔ کبھی شاہ فیصل کے مزار کی طرف! یہ بچیاں پانچ روز سے ان مزاروں پر مقیم
تھیں۔ لوگ اسے حاضری لگانا کہتے ہیں۔ ایک بچی کو میں نے مسلسل دو گھنٹے تک اپنی جان
کو گزند پہنچاتے دیکھا۔ اس نے پانی مانگا۔ ہم نے پانی دینا چاہا۔ مگر لوگوں نے روک دیا کہ
ہرگز پانی نہ دینا۔ یہ خود پانی نہیں مانگ رہی۔ جن مانگ رہا ہے۔ پھر یہ بچی پانی پئے گی بھی نہیں
ہم نے پانی کا پیالہ بچی کے منہ سے لگا دیا تو واقعی اس نے ایک بوند بھی نہ پی۔ تحقیقات سے پتا
چلا کہ اس کی ماں کو بھی یہی عارضہ تھا (یعنی اس پر بھی جن آتے تھے) یہ بھی معلوم ہوا کہ اس
بچی کا باپ سوتیلا ہے۔ وہ بچی پر بے حد ظلم ڈھاتا ہے جس سے یہ کیفیت ہو گئی ہے۔ لوگ
کہتے ہیں کہ بچی جن گرفتہ ہے۔ کیا واقعی جن گرفتہ ہے؟ اسی موقع پر ایک غیر شادی شدہ
لڑکی کو دیکھا۔ وہ بھی عبداللہ اصحابی کے مزار کی جالی پکڑ کر چلا رہی تھی۔ لوگوں نے اسے بھی جن گرفتہ
(یا آسیب زدہ بتایا) اور کہا کہ صاحبِ مزار نے اس عورت کو پکڑ رکھا ہے۔ اب یہ عورت

اس وقت تک جالی سے ہاتھ نہیں ہٹا سکتی جب تک جن نہ بھاگ جائے۔ یہ جن گرفتہ عورت چیخ رہی تھی کہ:

عبداللہ مجھے چھوڑ دے، ورنہ میں یہ کروں گا اور وہ کروں گا (لڑکی مردانہ لہجے میں بول رہی تھی) یہ واقعات میں نے خود ٹھٹھے کے مزاروں پر دیکھے ہیں۔ عرفان صاحب نے سوال کیا ہے کہ ان واقعات کی تشریح و تفسیر کیا ہوگی؟ اور ان کا سائنسی تجزیہ کس طرح کیا جائے گا؟ واضح رہے کہ میں مادہ پرست ہوں اور ان کرشموں کی خالص سائنسی تشریح و توجیہہ چاہتا ہوں۔"

دو شخصیتیں

یہ ایک ایسے دوست کے بیانات کا خلاصہ ہے۔ جو واقعی سائنسی نقطہ نظر رکھتے ہیں اور کسی بات پر اس وقت تک ایمان لانا نہیں چاہتے جب تک فراست عامہ یعنی روزمرہ برتی جانے والی عقل مطمئن نہ ہو جائے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ اصحابی شاہ فیصل (نہ جانے اصل نام کیا ہوگا) اور مکلی مائی کے مزاروں پر جن گرفتگی یا آسیب زدگی کے چند مریض دیکھے۔ ایک سترہ سالہ دبلا پتلا لڑکا۔ دو بچیاں۔ آٹھ دس سال کی اور ایک نوجوان عورت! جن پر بے خودی سی طاری تھی۔ وہ چیختے تھے۔ چلاتے تھے۔ زمین پر سر دے دے مارتے تھے۔ پٹخنیاں کھاتے تھے۔ چلاتے تھے کہ بادشاہ اسے جلا دے۔ یہ مجھے آٹھ سال سے پریشان کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

محمد عرفان کا مطالبہ ہے کہ ان جناتی مریضوں اور آسیب زدہ معمولوں کے ذہن کا نفسیاتی اور سائنسی تجزیہ کیا جائے۔ نفسیاتی طور پر تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ یہ سب مالیخولیا یا بٹی ہوئی شخصیت اور تقسیم شدہ ذہن (شیزوفرینیا) کے مریض ہیں یعنی ان کا نفس (شعور و لاشعور) دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ مریضوں کے ذہن یا نفس کا ایک

حصہ کسی خیالی آسیب یا جن کے زیر اثر ہے اور دوسرا حصہ اپنے حقیقت پسندانہ مطالعے میں مصروف ہے۔ جب ذہن کا یہ آسیب زدہ (جن گرفتہ) حصہ بروئے کار آتا اور اُبھرتا ہے تو مریض اپنے آپ کو جن یا بھوت سمجھ کر جن یا بھوتوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو مریض اپنی اصلی حالت میں آجاتا ہے۔ جب مریض کو بتلایا جاتا ہے کہ تم نے ابھی ابھی شیزوفرینیا (مالیخولیا) کے دورے کے زیر اثر یہ کہا اور وہ کہا یہ کیا اور وہ کیا۔ تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم میں کس حالت میں تھا کیا کر رہا تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن گرفتہ کی دو شخصیتیں ہوتی ہیں۔ ایک آسیبی یا جناتی شخصیت دوسری حقیقی یا نارمل شخصیت! یہ دونوں شخصیتیں نہ صرف ایک دوسرے سے انجان یا ایک دوسرے کے متضاد ہوتی ہیں بلکہ بجائے خود آزاد و خود مختار بھی ہوتی ہیں۔ جب ذہن کا ایک حصہ (مثلاً آسیب زدہ حصہ) بروئے کار آتا ہے تو وہ مریض کے تمام نظام تصورات۔ نظام جذبات۔ نظام محسوسات بلکہ اس کی گفتگو، لہجے انداز۔ الفاظ۔ آنکھوں کے اشارے۔ چہرے کے رنگ جسم کی حرکات، الغرض پورے کردار کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور جب ذہن کا دوسرا حصہ یا دوسری شخصیت اُبھرتی ہے تو وہ مریض بالکل مختلف رنگ روپ میں نظر آتا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں، جو دوہری۔ تہری بلکہ چوہری شخصیت کا مالک نہ ہو، ہر نارمل شخص کسی نہ کسی وقت ابنارمل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ خاص خاص جذباتی وجوہ کے زیر اثر دو ٹکڑوں میں بٹ جاتے ہیں یعنی ان کی دو کھائیں یا قاشیں ہو جاتی ہیں اور جوں جوں ذہن کے ان کٹے ہوئے حصوں کے درمیان جدائی کی خلیج چوڑی ہوتی چلی جاتی ہے، ان کی مالیخولیائی کیفیت یا دماغی جنون، جذباتی کشمکش، اعصابی کمزوری اور نفسیاتی بیچیدگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے تا اینکہ وہ مکمل پاگل ہو جاتے ہیں اور اس پاگل پن کے زیر اثر اپنے کو کچھ سے کچھ فرض کر لیتے ہیں۔ محمد عرفان نے تین کیس بطور مثال پیش کئے ہیں ا۔ ستر ہ

سالہ دبلا پتلا لڑکا (۲) دو بچیاں (۳) جوان غیر شادی شدہ عورت۔ سترہ سالہ لڑکے کے بارے میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ لڑکے کو کیرم کھیلنے کا نہ صرف شوق تھا بلکہ وہ اس کا چیمپئن بھی تھا، یہاں تک کہ اس کھیل میں اسے انعامات بھی ملے اور اب تک چیمپئن کی حیثیت سے اس کے فوٹو "کیرم کلب" میں لگے ہوئے ہیں۔ باپ نے بیٹے کو کیرم کا رسیا دیکھ کر اتنی پٹائی کی کہ وہ دماغی دورے میں مبتلا ہو گیا، اس وضاحت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بہ حیثیت مجموعی باپ کا بیٹے کے ساتھ کیا طرز عمل ہوگا؟ کتنا جابرانہ اور کتنا سنگدلانہ؟ اس صورت میں قدرتی طور پر لڑکے کے ذہن کا وہی حشر ہونا تھا جو ہوا یعنی ذہن کی دو حصوں میں تقسیم! ایک حصہ جن گرفتہ اور دوسرا حصہ غیر جن گرفتہ یعنی صحت مند! بلاشبہ یہ لڑکا مالیخولیا کا مریض ہے اور ڈاکٹروں نے بجا طور پر اس کے دماغی آپریشن کا مشورہ دیا تھا، ان حالات میں کیا ضرورت ہے کہ لڑکے کو کسی حقیقی جن کے زیر اثر تصور کر لیا جائے۔ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ وہ کسی شدید ترین مالیخولیائی کیفیت میں مبتلا ہے۔ دوسرا کیس دو بچیوں کا ہے (عمر آٹھ اور دس سال) ان بچیوں کا باپ بھی انہیں کافی مارتا پیٹتا تھا، پھر ان کی ماں بھی دماغی مریضہ تھی یعنی دماغی کمزوری بچیوں کو وراثت میں ملی تھی، باپ کا ظلم و ستم مزید، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں بچیاں نیم پاگل ہو گئیں، اب لوگ انہیں جن گرفتہ سمجھتے ہیں تو سمجھنے دیجیے۔ حقیقت واقعہ یہی ہے کہ دونوں بچیاں شیزوفرینیا کی مریضہ ہیں۔ تیسرا کیس ایک جوان غیر شادی شدہ عورت کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جن کے زیر اثر ہے۔ مگر وہ جن اس کے دبے ہوئے، دبائے ہوئے گھٹے ہوئے، کچلے ہوئے طوفانی جذبات کا جن ہے، ان تیز و تند جذبات نے اپنی نکاسی اور اخراج و اظہار کا ایک راستہ خود بخود پیدا کر لیا ہے اور وہ ہے جنون کا راستہ۔ جب انسان اپنے جذبات کی سلگتی ہوئی بارود کو مسلسل دبانے کی کوشش کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آجاتا

ہے کہ کسی بیرونی یا اندرونی تحریک سے مشتعل ہوکر، مقیّد جذبات جوالا مکھی کی طرح پھٹتے اور انسان کو سچ مچ کا بھوت بنا دیتے ہیں یعنی ذہن ایک ٹکڑے میں نہیں متعدد ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔ آسیب زدگی، ہسٹریا، مرگی، دماغی دورے، شدید اختلاج قلب۔ ہذیان (سوتے یا جاگتے میں بڑبڑانا) خواب میں چلنا SOMNAMBULISM بے انتہا جذباتی ہیجان۔ اور بے انتہا جذباتی ہیجان کے تحت سنگین جرائم کا ارتکاب یا خودکشی۔ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان جذباتی کیفیتوں کے اثرات نہ صرف ذہن پر شدت سے پڑتے ہیں، بلکہ جسم بھی ان کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور طرح طرح کی جسمانی بیماریاں نمودار ہوجاتی ہیں۔ محمد عرفان کے پیش کردہ تینوں کیس مالیخولیا اور "تقسیم شدہ شخصیت" کے کیس نظر آتے ہیں، مگر ان دماغی عارضوں کے ساتھ یہ تینوں مریض کسی جن یا آسیب کے اثر میں بھی ہیں۔؟

بحث کا یہ پہلو تشنہ رہ گیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے آسیب زدگی کے سینکڑوں مریض دیکھے ہیں، بلکہ میرے اپنے خاندان کی چند عزیزیں بھی ہسٹریا یا آسیب زدگی کے کسی دورے میں مبتلا تھیں۔ میں نے بہت سے آسیب زدہ مریضوں کی تحلیل نفسی کا بھی فریضہ انجام دیا ہے اور اس چھان بین کے نتیجے میں نفس انسانی کے بارے میں عجیب وغریب معلومات حاصل ہوتی ہیں، اس طرح بصد انکسار مگر کسی قدر ادعا کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی آسیب زدہ یا جن گرفتہ یا مالیخولیا کے مریض کا ذہن کس طرح کام کرتا ہے؟ عام حالات میں بھی اور خاص خاص حالات میں بھی۔

کتنا تہہ دار؟

انسانی ذہن کتنا پیچیدہ، کتنا گہرا اور کتنا تہہ دار ہے؟ فن تنویم (ہپناٹزم)

کے ذریعے بھی اس کا بخوبی تجربہ کیا جاسکتا ہے۔ تجزیہ بھی۔ آپ ایک شخص پر تنویمی نیند طاری کیجئے اور اس نیند کو گہرا، اور گہرا۔ اور گہرا کرتے چلے جائیے۔ یہاں تک کہ معمول (جس پر آپ نے تنویمی نیند طاری کی ہے) کی پوری ذہنی، دماغی اور اعصابی شخصیت آپ کی گرفت میں آجائے اور وہ آپ کی کمانڈ اور حکم پر چلنے لگے۔ اس عالم میں آپ معمول کے جسم اور نفس پر جو کیفیت اور حالت طاری کرنا چاہیں گے وہ طاری ہوجائے گی۔ آپ اس کے جسم میں سوئیاں چبھوئیے اور کہئے کہ ان سوئیوں یا چھریوں کی چبھن یا کاٹ تمہیں قطعاً محسوس نہ ہوگی کیا مجال جو محسوس ہوجائے، اس کے جسم پر انگارے رکھدیجئے اور کہئے کہ تمہارا جسم قطعاً نہ جلے گا، کیا امکان کہ جل جائے، یا اس کے برخلاف یہ سجیشن دیجیے کہ میں تمہارے سر پر رومال رکھتا ہوں مگر تم محسوس کروگے کہ پہاڑ اچانک میرے سر پر پھپٹ پڑا ہے، چنانچہ معمول کے سر پر رومال رکھتے ہی، وہ اس طرح چیخے گا، اچھلے گا، تڑپے گا جس طرح واقعی لاکھ من کا بوجھ سر پر رکھدیا گیا ہے، آپ تنویمی نیند کے عالم میں معمول کے جس حصہ جسم کو چاہیں شل کردیں، بے جان کردیں، بے حرکت کردیں۔ الغرض تنویمی نیند انسانی جسم کو اس حالت میں لے آتی ہے کہ بڑے بڑے آپریشن کردیے جاتے ہیں اور معمول کو پتہ بھی نہیں چلتا، یہ تو ہوئے تنویم کے وہ اثرات، جو انسانی جسم پر پڑتے اور اس میں غیر معمولی قوتیں یا صلاحیتیں بیدار کردیتے ہیں، اب آئیے ذہن کی طرف۔ تنویمی کیفیت میں معمول، عامل کے اشارے پر غیر معمولی کیفیات کا مظاہرہ کرتا ہے، اس قسم کا ایک مظاہرہ مجھے یاد ہے:

معمول کو تنویمی نیند کے عالم میں حکم دیا گیا کہ تم یہ محسوس کرو کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہوں، اس حکم یا ترغیب کو کئی بار دہرایا گیا۔ آخر معمول نے اقرار کیا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہے۔ عامل یہی فقرہ دہرائے جارہا تھا کہ تم محسوس کرو کہ میں اپنے جسم سے باہر نکل رہا ہوں۔ باہر نکل گیا ہوں۔ پانچ سات منٹ کے بعد معمول نے اطلاع دی کہ میں اپنے جسم سے باہر آگیا ہوں اور یہ میرے سامنے صوفے پر میرا جسم پڑا ہے معمول سے سوال

کیا گیا کہ تم اس حالت میں یعنی جسم سے باہر آ کر کیا کیفیت محسوس کر رہے ہو؟ اس نے کہا بالکل ہلکا پھلکا۔ جیسے میرے اندر وزن ہی نہیں۔ جیسے میں ہوا کی طرح لطیف ہوں، اس کے بعد عامل سے کہا کہ تم برق رفتاری کے ساتھ لاہور چلے جاؤ۔

چلے گئے؟

جی ہاں! میں چشم زدن میں لاہور پہنچ گیا اور اب میں گلی نمبر... محلہ نمبر..... سے گزر رہا ہوں اور بھائی خالد کا مکان میرے سامنے ہے۔ عامل نے کہا۔ مکان کے اندر داخل ہو جاؤ اور تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ بھائی خالد اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ ان کی بیوی کہاں ہے؟ بڑی بچی کہاں ہے اور وہ جو اُن کے گھر میں مہمان آئے ہوتے ہیں وہ کیا کر رہے ہیں؟ معمول نے کہا کہ بھائی خالد غسل خانے میں ہیں۔ بھابی شاپنگ (خرید وفروخت) کے لئے باہر گئی ہوئی ہیں۔ بڑی بچی کو بخار ہے اور مہمان چلے گئے۔ جب تنویمی معمول بھائی خالد کے مکان کی تفصیل بیان کر چکا تو عامل نے اسے حکم دیا کہ اچھا اب واپس آ جاؤ!

آ گئے واپس؟

جی ہاں آ گیا۔

تو اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ۔

داخل ہو گیا۔

اس کے بعد سجیشن کے ذریعے معمول کی تنویمی کیفیت ختم کر دی گئی۔ چند لمحے بعد معمول بالکل ہوش و حواس میں تھا۔ فوراً ہی لاہور کو ٹیلی فون کر کے بھائی خالد سے پوچھا کہ کیا آپ اس وقت غسل خانے میں تھے، کیا بھابی خریداری کے لئے بازار گئی ہیں؟ کیا زرینہ (بڑی بچی) کو بخار ہے؟ کیا آپ کے مہمان چلے گئے؟ انہوں نے ایک ایک بات کی تصدیق کی اور حیرت سے پوچھا کہ یہ ساری باتیں تمہیں کس طرح معلوم ہوئیں؟ کیا تمہیں علم غیب حاصل

ہے؟ یہ واقعہ میرا چشم دید ہے، کیا اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ نفس انسانی کتنے عجائبات کا خزانہ ہے؟ خیر یہ ایک اور بحث ہے۔ سوال یہ ہے کہ سائنس کی روشنی میں "جنّات" کی حقیقت کیا ہے؟

عقیل احمد نے (کوئٹہ سے) لکھا ہے:

مجھے یقین ہے کہ جن موجود ہیں۔ میری بچی ہوا میں معلق ہو جاتی ہے۔ اس کے کپڑوں میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے۔ گھر کی چیزیں، یہاں تک کہ بھاری بھاری سامان (لوہے کی الماریاں اور مسہریاں) کسی کے ہاتھ لگائے بغیر زمین سے اٹھتا ہوا میں چکر لگاتا اور پھر آہستگی کے ساتھ زمین پر رکھ دیا جاتا ہے جیسے دیو کوئی کھیل کھیل رہے ہیں!

عقیل احمد کا بیان میرے لئے نہ تو نیا ہے نہ انوکھا۔ میں اس قسم کے متعدد واقعات کا شاہد عینی رہا ہوں اور اس موضوع پر بیشمار خط پڑھ چکا ہوں۔ صدہا لوگوں کے مشاہدات سن چکا ہوں۔ اگر یہ واقعات، تجربات اور مشاہدات صحیح ہیں اور بہت سے واقعات کی تصدیق کی جا چکی ہے تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ سائنس کی روشنی میں جنات کا مطالعہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ لیکن نہیں، آیئے ہم اس سوال کو الٹ کر اس طرح کر دیں کہ جنّات کے واقعات کی روشنی میں سائنس کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہیے۔ پہلے اس سوال پر بحث کریں پھر اس مسئلے پر کہ سائنس کی روشنی میں جنّات (نادیدہ مخلوق) کی حیثیت اور حقیقت کیا ہے؟ یا کیا ہو سکتی ہے؟

مابعد الحیاتیات

تصوّر یہ کیا جائے کہ جن: ایک ایسی مخلوق ہے جس کی تخلیق مادّے کی بعض غیر معمولی قسموں سے کی گئی ہے۔ ہم زندگی کے اس نظام اور جانداروں کے اس سلسلے سے واقف ہیں جو ہماری زمین پر پایا جاتا ہے۔ ہمارا علم حیاتیات زندگی کے صرف ایک ہی نمونے سے

بحث کرتا ہے۔ لیکن جس طرح نفسیات کی ٹہنی سے مابعد النفسیات کی کونپل پھوٹ نکلی ہے، اسی طرح حیاتیات کے پیٹ سے ایک نئی سائنس جنم لے رہی ہے۔ جسے مابعد الحیاتیات (EXO - BIOLOGY) کہا جاتا ہے۔ اکیسوبیالوجی میں زندگی کی ایسی شکلوں سے بحث کی جاتی ہے، ایسے نمونوں کو زیر غور بحث لایا جاتا ہے جو فی الحال زمین پر کہیں نظر نہیں آتے اور انہیں موجودہ علم الحیات اور فن حیاتیات کے اصول ۔ مسلمات اور قوانین کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ نوبل پرائز یافتہ امریکی عالم حیات جوشولیڈر برگ اس نئی سائنس (اکیسوبیالوجی) کا رہنما ہے۔ مابعد الحیات کا سب سے پہلا مسئلہ اور بنیادی سوال یہ ہے کہ ہماری زمین سے باہر کائنات کے کسی گوشے یا خلاء کے کسی قریب و بعید سیارے میں زندگی موجود ہے؟

اگر موجود ہے تو ہمارے نظام زندگی یعنی زمینی جانداروں کے سلسلۂ حیات سے کس حد تک اور کس طرح مشابہ یا کس حد تک مختلف و متضاد ہے۔ کائنات میں زندگی کے بے شمار نمونے پائے جاتے ہیں اور ان گنت زندگیوں کے یہ نمونے جسم و جان کے اس سانچے سے جو ہمیں تفویض کیا گیا ہے قطعی مختلف ہو سکتے ہیں۔ جدید ہیئت دانوں کا اندازہ ہے کہ صرف ہمارے کہکشانی نظام کے اندر ایسے ۶۴ کروڑ سیارے پائے جاتے ہیں۔ جہاں زندگی قطعی مختلف شکلوں میں روبہ کار آسکتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے کہکشانی نظام (اور اس قسم کے بیشمار کہکشانی نظام کائنات کے اندر موجود ہیں) کے اربوں سیاروں میں سے چونسٹھ کروڑ سیاروں میں چونسٹھ کروڑ قسم کے نمونہ ہائے حیات کے ارتقاء کی گنجائش موجود ہے اور ان چونسٹھ کروڑ سیاروں میں دس لاکھ سیارے باشعور اور ترقی یافتہ زندگی اور نظام جسم و جاں کو وجود میں لانے کے لئے ہر طرح موزوں ہیں۔ ان سیاروں میں اعلیٰ درجے کی ذہین اور باشعور مخلوق کا کامل امکان پایا جاتا ہے بابل و نینوا کی دیومالا (علم الاصنام) کی رو سے قدیم ترین زمانے میں آسمانی فرشتے

ہیں۔ حیات کی نئی سائنس EXO - BIOLOGY کا موضوع فکر زندگی کے یہی امکانات ہیں۔ زمین پر نباتات، حیوانات اور انسان کی شکل میں زندگی کا جو ڈھانچہ تشکیل پایا ہے۔ وہ سالمات (MOLECULES) سے مرکب ہے۔ ان میں (PROTEIN) کے سالمات سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ کوئی مسالا ان کی جگہ نہیں لے سکتا۔ پروٹین کے سالمے پانی میں پرورش پا سکتے ہیں آج بھی تمام زمینی مخلوقات میں پانی کی مقدار پچاس ۵۰ سے اسّی فیصد تک پائی جاتی ہے۔ زمینی زندگی کے اس فارمولے کو کیمیاوی زبان میں "پروٹین ان واٹر" فارمولا کہتے ہیں گویا میں۔ آپ۔ یہ پیڑ جس کے سائے میں یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ یہ کوّا جو دیوار پر بیٹھا کائیں کائیں کر رہا ہے۔ یہ مکھی جو کان کے پاس بھنبھنا رہی ہے، یہ چیونٹی جو پاؤں پر رینگ رہی ہے۔ ان سب کی زندگی۔ یا ہم سب زندگی کے "پروٹین ان واٹر" فارمولے کی پیداوار ہیں۔ آج تک کیمیا اور حیاتیات کی روشنی میں زمین پر زندگی کے جتنے نمونوں کا امتحان لیا گیا ہے ان کی تحلیل کی گئی ہے۔ وہ سب کے سب پروٹین اور پانی کے نسخے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن کیا پانی کے بغیر زندگی وجود میں نہیں آ سکتی۔ آکسیجن کے سلسلے میں اس مفروضے کو کہ جہاں آکسیجن گیس ہوگی صرف وہیں زندگی پائی جائے گی۔ سائنس کے نقطۂ نظر سے غلط ثابت کیا جا چکا ہے۔ اگر کسی سیّارے مثلاً مریخ میں پانی کے بجائے امونیا (AMMONIA) گیس پائی جاتی ہے تو زندگی کی نشوونما ممکن ہے، چاہے اس زندگی کی شکل کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔ امونیا ایک تیز چبھنے والی اور اشک آور گیس ہے۔ پانی کی طرح امونیا گیس میں بھی زندگی کو نشوونما دینے اور پروان چڑھانے کی قدرتی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ہمارے نظام شمسی کے جوپیٹر اور زحل ستارے میں ہائیڈروجن اور ہیلیم گیسیں کثیر مقدار میں موجود ہیں [...] امونیا اور میتھان گیسوں کی آمیزش ہے اور یہ کیمیاوی اجزا جانداروں کے کسی نہ [...]لے کو بروئے کار لانے کے لئے قطعی مناسب ہیں، انتہائی سرد اور خنک ترین سیّارو[ں ...] "پروٹین ان واٹر" کے فارمولے پر عمل نہیں کر سکتی تو وہ دوسرا نسخہ استعمال کر سکتی

سائنس داں پرندے ظہور پذیر ہو جاتے۔ آخر ہم یہ کیوں فرض کئے بیٹھے ہیں کہ زمین پر صرف وہی نظامِ حیات ضامنِ حیات ہو سکتا تھا جس سے ہم آشنا ہیں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ ہر قسم کی زندگی (نباتات، حیوان اور انسان) کا بنیادی مسالہ ایک ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نیم کے پیڑ "ریلی" کے نیچے، اور اس مضمون کے راقم میں اس بنیادی مسالے کا استعمال اور اظہار مختلف شکلوں میں ہوا ہے۔ زمینی مخلوقات کی شکل وصورت مختلف سہی، بنیادی ترکیب اور مادۂ تعمیر ایک ہے۔ دیکھ لیجئے نا! موم اور پلاسٹک کے مواد سے کتنی مختلف چیزیں اور کتنی عجیب و غریب شکلیں بن جاتی ہیں۔ زمین پر زندگی اور آکسیجن کا ساتھ ہے لیکن اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہوا جائے کہ جہاں آکسیجن نہیں وہاں زندگی نہیں۔ زمین پر سبزہ، پودے اور درخت آکسیجن پیدا کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ زمین برہنہ تھی، یعنی زمین پر سبزہ وگل موجود نہ تھے۔ ہائے کیا شعر یاد آیا ؎

جو سبزہ و برگ سے ہو محروم
وہ شبنم بے کفن ہیں ہم لوگ

تاہم اس وقت بھی زمین پر ایسے جاندار موجود تھے جو آکسیجن کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں قبل آکسیجن دور کے بعض بیکٹیریا (جراثیم) اب تک برقرار ہیں اور آکسیجن جلنسیی حیات بخش موج نسیم ان کے لئے زہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کرۂ ارض پر ایسی مخلوقات قائم رہ سکتی ہیں جو زندگی کے لئے آکسیجن کی محتاج نہیں تو مریخ پر کیوں قائم و زندہ نہیں رہ سکتیں۔ ارضی فن حیاتیات کی رُو سے مریخ پر زندگی کا کوئی امکان نہیں۔ کیونکہ وہاں نہ ہوا ہے نہ پانی اور سردی اس قدر شدید ہے کہ حیات پہلے ہی قدم پر ٹھٹھر کر رہ جائے۔ مگر کیا یہ حقیقت تعجب انگیز نہیں کہ مریخ کی مفروضہ دقّتوں اور رکاوٹوں سے کہیں زیادہ مشکل اور مخا[illegible] ماحول کا مقابلہ کر کے زمین پر بعض جاندار (بیکٹیریا اور فنگی) زندہ رہے ہیں ا[illegible]

استعمال کیا گیا ہے۔ پھر یہ کیوں سمجھ لیا کہ صرف یہی ننھا منا سا نیلے رنگ کا کرۂ، جاندار مخلوق کا مسکن اور زندگی کا گہوارہ ہے اور باقی ساری کائنات۔ یہ عظیم الشان رنگ رنگ حسین پرشکوہ اور پراسرار کائنات، جو لاکھوں کہکشانی نظاموں اور کروڑوں سورجوں اور انکے تابع اربوں سیاروں پر مشتمل ہے۔ فقط قبرستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ انصاف کیجئے یہ خیال کتنا طفلانہ اور یہ تصور کس درجہ مضحکہ خیز ہے۔ زمین پر دو عناصر۔ ہائیڈروجن اور ہیلیم کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ کرۂ ارض کی پیدائش کے وقت نیون (NEON) اور آرگون (ARGON) گیسیں بھی قدرتی حالت میں یہاں موجود تھیں لیکن رفتہ رفتہ طبعی اسباب کے سبب ضائع ہو گئیں۔ ہماری دھرتی ماتا پر زندگی کی جتنی شکلیں اور نمونے یا جتنی شکلوں اور نمونوں کی زندگی پائی جاتی ہے (انسان سے نباتات تک) اس کا مرکزی جوہر یا بنیادی مسالہ پروٹینز اور NUELEIC ASIDS کے سالمات ہیں۔ زمین کی تمام زندہ مخلوقات ایک ہی قسم کے ایٹموں سے مرکب ہے، ایک ہی قسم کی کیمیاوی تبدیلیوں کے دور سے گزرتی اور انرجی (توانائی) حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے لئے یکساں ذرائع استعمال کرتی ہے، زمین پر زندگی کی ابتدا سمندروں سے ہوئی۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ سمندر میں کون کون سی کیمیاوی عناصر پائے جاتے ہیں۔ کروڑوں اربوں برس پہلے جب سمندر سے زندگی کا آغاز ہوا تھا تو اس کے آغاز اور ظہور کی بہت سی شکلیں اور طریقے ممکن تھے۔ زندگی اپنے اظہار کے لئے کوئی سا نمونہ بھی پسند اور اختیار کر سکتی تھی مگر ہوا یہ کہ اظہار حیات کی بے شمار ممکن شکلوں اور امکانی نمونوں میں سے صرف ایک شکل اور نمونہ بروئے کار آیا اور اب ہم صرف اس شکل حیات اور نمونۂ زندگی سے واقف ہیں اور ہمارا فن حیات حیاتیات کے صرف ایک ہی فارمولے سے بحث کرتا ہے۔ مگر اس کے معنی یہ تو نہیں کہ ظہور حیات اور نمود زندگی کی باقی تمام سکیمیں، فارمولے اور منصوبے ناقابلِ عمل تھے۔ مثلاً یہ ہو سکتا تھا کہ کرۂ ارض پر ”پردارانسان“ اور انسانوں کی طرح سوچنے سمجھنے والے سیاست کار اور

ہاروت وماروت) زمین پر اترے اور انہوں نے دجلے اور فرات کے کنارے
تہذیب وتمدن کی بنیادیں رکھیں تو کیا ہاروت وماروت کسی دوسرے سیارے کی ذہین
ور باشعور مخلوق سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ ہماری زمین میں ایسے کون سے
سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اللہ کی کامل ترین اور نادر ترین مخلوق صرف اسی مٹی
سے جنم لے سکتی ہے۔ باقی پوری کائنات بانجھ ہے۔ کائنات میں ہماری زمین سے
ہیں بڑے، کہیں زیادہ روشن اور کہیں زیادہ شاندار سیارے موجود ہیں، زمین تو سیاروں
ور سیارچوں کے اس صحرائے اعظم میں صرف ایک ذرے کی برابر ہے۔ پہلے ہم زمین کو
رکز کائنات تصور کرتے تھے اور اس مفروضے پر یقین رکھتے تھے کہ آسمان کے سارے ستارے
ور سیارے اور چاند سورج کرۂ ارض کا والہانہ طواف کر رہے ہیں۔ لیکن جونہی چشم دوربین
ور چشمہ دوربین میں سے خلا کا معائنہ شروع کیا تو پتہ چلا کہ :

انجم ہیں خلا میں پا بہ جولاں
سورج ہے زمیں سے پا بہ زنجیر

طبعی کائنات میں کرۂ ارض کی مرکزیت کا تصور کبھی کا ختم ہو چکا، البتہ کائنات
حیات میں زمین کے تنہا مرکز حیات ہونے کا تصور اب تک باقی ہے یعنی یہ کہ پوری خلائے
غیر محدود یعنی بے حد، بے انتہا اور بے عدد کائنات میں صرف زمین ہی ایک ایسا کرہ ہے
جس پر زندگی پائی جاتی ہے۔ یہ عقیدہ ہنوز برقرار ہے لیکن عنقریب مابعد الحیات کا علم
س بت کو بھی توڑنے والا ہے۔

پیرو ہن ان واٹر

ہماری زمین اور ہماری زمین کی مخلوقات، جن کیمیاوی مادوں سے مل کر بنی ہے،
پوری کائنات کی تعمیر میں وہی کیمیاوی مسالہ، وہی ایٹم وہی گیس اور عناصر کا وہی اینٹ گارا

ہے۔ وہ ہے "پروٹین ان امونیا" کا کیمیاوی فارمولا۔ یہ نسخہ بھی جسم وجاں کے لئے انتہائی
رّب اور بے خطا ہے جتنا پروٹین ان واٹر کا فارمولا اور نسخہ! ہرگز اس خود فریبی پر اصرار اور
ں غلط فہمی کی تائید نہ کیجئے کہ صرف وہی بناوٹ صرف وہی ڈھانچہ اور صرف وہی نمونہ۔
ندگی اور نمود زندگی کے لئے موزوں، مناسب، مفید، کارآمد بلکہ حتمی اور قطعی ہے۔ جسے ہم
انتے، پہچانتے اور برتتے ہیں۔ سائنس کی رُو سے کائنات میں زندگی بے شمار ڈھانچوں اور
ساسوں میں جلوہ گر ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے کہ زندگی کا ایک نمونہ، زندگی کا ڈھانچہ اور
اس وہ ہو جو دیو، پری، جنات اور فرشتوں کے وجود میں اور انکے وجود پر نظر آتا ہے، ہماری
ین پر "پروٹین ان واٹر" کے فارمولے سے جو زندگی وجود میں آتی ہے وہ کرۂ ارض کی
ب وہوا کے عین مطابق ہے۔ لیکن انتہائی خنک اور کرۂ زمہریر کی طرح یخ سیاروں میں پروٹین
ن واٹر کے فارمولے کے بجائے زندگی "پروٹین ان امونیا" کے فارمولے کے مطابق وجود
آ سکتی ہے۔ ہم انسان پروٹین اور پانی سے مرکّب ہیں اور اپنی غذا ہائیڈروجن اور کاربن کے
مالمات سے حاصل کرتے ہیں لیکن جو غیر انسانی مخلوق پروٹین ان امونیا کے فارمولے کے
ابق پیدا ہوئی ہوگی، اس کو ہماری طرح غذا کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ فضا سے انرجی جذب کر کے
نے وجود کو قائم رکھ سکتی ہے۔ جب اس غیر انسانی مخلوق کو غذا کی ضرورت ہی نہیں تو لامحالہ
ہ کے جسم میں غذا کو ہضم کرنے والے اعضا (معدہ، جگر، گردے اور آنتیں) بھی نہ ہونگے
ا کا جسم کسی اور ہی قسم کا ہوگا، "پروٹین ان امونیا" کے نمونے پر ترتیب پاتی ہوئی مخلوق
ن ہے کہ جسم کے وزن سے بالکل آزاد ہو، ہوا میں اڑتی ہو، اتنی لطیف ہو کہ بیک
م زدن نظر سے غائب ہو جاتی ہو، مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہو، فن مابعد الحیات کی
سے کائنات میں ایسی مخلوق کا پایا جانا عین ممکن ہے۔

مخلوقِ آتشیں

یہ بات پہلے ہی طے پا چکی ہے کہ جن جیسی مخلوق کے بارے میں جو کچھ کہا جائے گا اس کا تعلق سائنس اور صرف سائنس سے ہوگا، اس بحث میں مذہب و اعتقاد کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جائے گا ہم اس وعدے پر قائم ہوں اور اسی نقطہ نظر سے اب تک جنات کے وجود پر گفتگو کی جا رہی ہے۔ جنات خالص آگ اور "نارِ سموم" یعنی گرم ہوا سے پیدا کئے گئے ہیں، اس قسم کی مخلوق کی جسمانی بناوٹ ہم خاکی نژادوں سے قطعی مختلف ہوگی، نارِ سموم ایسی گیس کو کہتے ہیں جس میں نہ گرمی ہو نہ دھواں! یہ ہوا کی طرح خلاء میں رواں دواں رہتی ہوگی۔ وقت اور فاصلہ اس کے نزدیک بے معنی چیز ہوگا۔ ممکن ہے کہ خالص نارِ سموم کی بنی ہوئی مخلوق سیاروں کے درمیان روشنی یا ایک لاکھ چھیاسی ہزار فی میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کر سکتی ہو مختلف شکلیں بدلنے پر قادر ہو، غذا سے بے نیاز ہو۔ عظیم الشان طاقتوں کی مالک ہو عکس ریز (X-RAY) کی شعاعوں کی طرح ٹھوس جسموں سے گزر سکتی ہو ہم نے جنات کی یہی خصوصیات سنی ہیں، اور جو حضرات جنات سے ملتے جلتے رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی ان کے بارے میں یہی کچھ بیان کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس قسم کی مخلوق آتشیں جو خالص آگ (یعنی مارج من النار) اور نارِ سموم (گیس) سے پیدا کی گئی ہے۔ ہمارے نظامِ شمسی کے کسی سیارے میں پائی جا سکتی ہے۔ ہمارے سورج کا وہ کون سا طفیلی سیارہ ایسا ہے جو اس قسم کی ناری مخلوق کی بود و ماند اور نشو و نما کے لئے موزوں ہے اور بائیو کیمسٹری اور بیالوجی کا وہ کون سا فارمولا ایسا ہے جو اس قسم کے جانداروں کو وجود میں لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آپ کے سامنے اب تک زندگی کو ظہور میں لانے کے ۲ دو فارمولے پیش کئے جا چکے ہیں (۱) پروٹین اِن واٹر کا فارمولا (۲) اور پروٹین ان امونیا کا فارمولا۔ ہماری زمین پر موجودہ نظامِ حیات کی تمام مخلوقات (حیوان و انسان) پہلے فارمولے کی

پیدا وار ہیں ۔ اگر مریخ، زحل اور مشتری میں زندگی موجود ہوگی تو وہ دوسرے فارمولے سے یعنی پروٹین اور امونیا کے مسالے سے ظہور میں آئی ہوگی ۔ لیکن ہمارے نظام شمسی کے بعض سیارے اتنے سرد ہیں کہ وہاں امونیا گیس سیال حالت میں نہیں پائی جاتی اور اس طرح وہ زندگی کی کسی اسکیم کو بروئے کار لانے سے قاصر ہے ۔ مثال کے طور پر پلوٹو، نپ چون سیارے ۔ کہ وہاں شدید ترین سردی کے سبب امونیا گیس کا سیال شکل میں پایا جانا ممکن نہیں ، اس کے معنی یہ ہیں کہ پلوٹو اور نپ چون میں " پروٹین ان امونیا " کا نسخہ حیات استعمال نہیں کیا جا سکتا ، پھر نپ چون اور پلوٹو سیارے میں جو ہمارے ہی سورج کے گرد گھومتے ہیں ۔ زندگی اپنا اظہار چاہے گی تو کیمیکل کے کس فارمولے کو استعمال کرے گی ؟

آیئے ! اس سوال پر بھی سائنس کی روشنی میں غور کرنے چلیں ۔

نپ چون اور پلوٹو سیاروں میں زندگی کے لامحدود ذخیرے موجود ہیں ۔ " میتھان " قدرتی گیس کا سب سے بڑا جز وہے جو تین سو درجے صفر حرارت یعنی نقطہ انجماد سے تین سو ڈگری نیچے والے نقطے پر بھی سیال حالت میں پایا جا سکتا ہے ، ایسے سیاروں میں جہاں تین سو درجے صفر درجہ حرارت پایا جاتا ہو جس کی مثال نپ چون اور پلوٹو پیش کرتے ہیں ، وہاں " فیٹ ان میتھان " کا کیمیاوی فارمولا خاص قسم کے جانداروں کو ، جو ہمیں حیوانوں اور انسانوں سے بہ اعتبار جسم وجان بالکل مختلف ہوں ، زندہ وجود بخش سکتا ہے ۔ اب آیئے آتشیں مخلوق کی طرف ۔

جن اور سلفر وفلورین

جن خالص آگ اور گرم ہوا سے پیدا کئے گئے ہیں ۔ اگر کسی سیارے میں ۸۰۰ ڈگری فارن ہائٹ درجہ حرارت پایا جاتا ہے تو جن قسم کی آتشیں مخلوق وہاں بخوبی اور بفراغت زندگی بسر کر سکتی ہے ۔ سائنس کی روشنی میں کہنا چاہیں گے تو یوں کہیں گے کہ جن سلفر

(گندھک) کے کیمیاوی مواد سے وجود میں آتے ہیں۔ سلفر کی طرح فلورین نامی گیسوں کے سالمات بھی ہائی لعو آگ سے بنی ہوئی مخلوق کے لئے مناسب مواد کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح زندہ زمینی مخلوقات کی کیمیاوی ترکیب میں "ہائیڈروکاربونز" (کلورین، کاربن) عناصر بروئے کار آسکتے ہیں۔ فلورین کے ایٹم ہائیڈروجن کے ایٹموں سے زیادہ پختہ اور مستحکم ہوتے ہیں۔ آپ کسی سائنس داں اور عالم حیات سے پوچھئے کہ کیوں صاحب! جس طرح میں اور آپ "ہائیڈروکاربونز" مرکبات سے بنائے گئے ہیں اسی طرح کائنات میں کوئی مخلوق "فلوروکاربونز" مسالے سے بھی وجود میں آسکتی ہے اور کیا سلفر اور فلورین کے ایٹموں اور سالمات کی ترکیب سے "جن" جیسی خصوصیتیں رکھنے والی جاندار ہستیاں جنم لے سکتی ہیں تو یقیناً اس کا جواب "ہاں" میں ہوگا "نہیں" میں نہیں ہوگا۔ میرے والد مرحوم علامہ سید شفیق حسن ایلیا نقوی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ جنات کے معاملے سے خاص شغف رکھتے تھے اور اس مخلوق کے بارے میں عجیب و غریب انکشافات فرمایا کرتے تھے۔ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ جنوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔ بعض بے حد خطرناک ہوتے ہیں اور بعض بالکل بے ضرر بعض قوی ہیں بعض کمزور، بعض انسانوں سے میل ملاپ پسند کرتے ہیں بعض پسند نہیں کرتے۔ روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جنات کی دس قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ ابلیس ۔ ۲۔ شیاطین ۔ ۳۔ مردہ ۔ ۴۔ عفاریت ۔ ۵۔ اعوان ۔ ۶۔ غواصوں ۔ ۷۔ طیاروں ۔ ۸۔ توابع ۔ ۹۔ قرنا اور ۱۰۔ عمار! خیر یہ تو روایت ہے۔ ایکسوبایالوجی (مابعد الحیاتیات) کی رو سے سائنسی حقیقت یہ ہے کہ سلفر اور فلورین کے مرکبات سے ایسی آتشیں مخلوق جو آٹھ سو درجہ حرارت پر زندہ رہ سکے پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح ایک اور عنصر (SILICONES) کے ایٹم بھی آگ سے بنائی جانے والی مخلوق کے لئے بنیادی مسالے کی حیثیت سے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ "فلوروکاربونز" اور سلی کانز سے بنی ہوئی جاندار ہستیاں ایسے لطیف جسم کی مالک ہوں گی

جو ضرورت کے وقت ہر سانچے میں ڈھل سکتا ہے۔ ان کا جسمانی نظام ایسا ہوگا کہ یہ غذا کی ضرورت سے بے نیاز ہوں گے اور زمینی پودوں کی طرح براہ راست سورج سے توانائی حاصل کر کے سینکڑوں ہزاروں سال تک زندہ رہ سکیں گے۔ مشتری انتہائی گرم سیارہ ہے مشتری پر ہماری زمین کے نباتات اور حیوانات ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ البتہ سلی کانز سے بنے ہوئے جن آسائش کے ساتھ وہاں رہنے سہنے پر قادر ہیں۔ درحقیقت ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم زندگی کے صرف ایک ہی THEME مضمون کو سمجھ سکتے ہیں۔ کاش ہمیں اندازہ ہوتا کہ یہ کائنات کتنی رنگارنگ ہے اور اس رنگارنگ کائنات میں زندگی کے کتنے متضاد نمونوں (انسان، جسم، فرشتہ) کو بروئے کار لانے کی صلاحیتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں، ہمارا فن حیاتیات زندگی کے صرف ایک فارمولے کے گرد گھومتا ہے۔ وہی "پروٹین اور پانی" کا فارمولا۔ لیکن چونکہ پروٹین اور پانی کے صرف ایک فارمولے سے زندگی کے تمام ممکنات اور امکانات کی تشریح ممکن نہیں، اس لئے حیاتیات کی نوخیز سائنس یعنی مابعد الحیاتیات کے ذریعے زندگی کے دوسرے ممکن فارمولوں (امونیا، سلفر، فلورین، سلی کانز وغیرہ) کو زیر بحث لایا گیا، آج کل نوبل پرائز یافتہ عالم حیاتیات جوشو لیڈر برگ، ولیم ایم سنٹن، اسٹیفن ایچ ڈول۔ سہیت دان کارل سیگان اور ہیرالڈ سی ارے (عالم کیمیا) ان ہی فارمولوں پر کام کر رہے ہیں، ان کا موضوعِ فکر یہ ہے کہ دوسرے سیاروں میں جہاں کی آب و ہوا اور درجہ حرارت ہمارے سیاروں سے بالکل مختلف ہے، کس قسم کے جاندار پائے جا سکتے ہیں۔

مجنون اور جن

مجنون عربی لفظ ہے۔ مجنون دماغی اعتبار سے ناکارہ مریض کو نہیں، بلکہ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر جن مسلّط ہو گئے ہوں۔ خود میں نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا ہے

جب جنون کا دورہ پڑتا ہے تو ان میں سے بعض ضرور جن جیسی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔
لیکن مالیخولیا اور مرگی کے مریض کو "جن گرفتہ" سمجھ لینا حماقت ہے۔ مالیخولیا اور دماغی
دورے کے ہزاروں مریضوں میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں، جن پر آسیب زدگی اور جن
گرفتگی کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں سولہ سترہ سال کی ایک معصوم لڑکی کو میں نے
دیکھا کہ وہ دماغی دورے کے زیر اثر بے حد شور وغل مچاتی تھی۔ گالیاں بکتی تھی۔ سر زمین پر دے
دے مارتی تھی۔ اسے کسی پہلو قرار نہ آتا تھا، مالیخولیائی دورے کی یہ کیفیت چند گھنٹے جاری
رہتی، پھر وہ ہوش میں آجاتی۔ آخر اس بچی کو ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا، جہاں اسے تیز
خواب آور اعصاب کو سُن کر دینے والی گولیاں دی گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ "لوتھ" اور لاش
بن کر رہ گئی۔ چند روز کے بعد بچی کے اعزا اس لوتھ کو گھر اٹھا لائے، اب پھر دماغی دورے
کا دور شروع ہوا، ایک مرتبہ عالم ہوش میں اس لڑکی نے مجھے بتایا کہ میرا دماغ مجھ سے کہتا
ہے کہ میں یہ اعلان کر دوں کہ میں جن ہوں یعنی میں اپنے کو جنّات کے روپ میں پیش
کروں، ورنہ مجھ پر کوئی جن ون بھوت ووت نہیں ہے۔ لڑکی کا یہ کہنا کہ میرا دماغ کہتا
ہے کہ میں اپنے کو جن کے روپ میں پیش کروں، نہایت معنی خیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ
کیا مالیخولیا یعنی بٹے ہوئے ذہن اور تقسیم شدہ شخصیت کے مریضوں کے اندر یہ رجحان
کارفرما ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس کیفیت یعنی دماغی دورے کو کسی سپر نیچرل قوت (بھوت
ارواح خبیثہ) آسیب، جن۔ ہمزاد وغیرہ) کی طرف منسوب کر کے اپنے کو بے خطا اور
معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یعنی ہم تو کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ یہ تو کوئی جن ہے
جو ہم سے سب کچھ کروا رہا ہے کہلوا رہا ہے۔ یہ سوال بہت قابل غور ہے، بے حد فکر انگیز
سوال۔ بہت سی عورتیں اپنی بہت سی فضول حرکات کا یہی عذر پیش کیا کرتی ہیں کہ یہ تو
کسی جن کی کارستانی ہے۔ بہرحال معالج کا فرض ہے کہ مالیخولیا کے مریض یا جن گرفتہ کا
علاج شروع کرنے سے قبل پوری طرح اس کی تحقیق کرے کہ اصل معاملہ اور حقیقت واقعہ کیا ہے:

شاک تھراپی

بعض حالات میں جن گرفتہ مریضوں کا علاج بھی دماغی مریضوں کی طرح "شاک تھراپی" سے کیا جاتا ہے جب مرگی نما دماغی دورے حد سے گزر جاتے ہیں تو مریض کو بجلی کے شاک لگوائے جاتے ہیں۔ برقی جھٹکوں کے ذریعے مریض کو وقتی طور پر افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ آسیب زدوں کے علاج کا دیسی طریقہ یہ ہے کہ اس کی ناک میں فلیتہ جلا کر مرچوں کی دھونی دے کر، مریض کے گال پر طمانچے مار مار کر، اس کے گرد آگ سلگا کر اور اسی قسم کے تشدد آمیز طریقے استعمال کر کے جن بھوت کو بھگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ مار کے آگے بھوت بھی بھاگے اور یہ مثل کسی نہ کسی حد تک صحیح ہے۔ اگر جن گرفتہ مریض بالکل ہی آپے سے باہر نہیں ہو گیا ہے تو اس کا نفسیاتی علاج بھی ممکن ہے۔ اس طرح کہ مریض کے اندر سوئی ہوئی قوتِ ارادی اور خود اعتمادی کو جگا دیا جائے۔ جوں ہی مریض کے اندر عقیدے، یقین اور اعتماد کی حیرت انگیز قوت جاگی اور سارے جن، بھوت اور عفریت بھاگے۔ اس علاج کی پہلی شرط یہ ہے کہ مریض کے ذہن کی چھان بین (تحلیل نفسی) کی جائے۔ مجھ سے ایک جن گرفتہ مریض نے کہا کہ وہ رحیم نامی جن کے زیر اثر ہے۔ اور یہ جن دہرہ دون سے اس کے ساتھ آیا ہے۔ اس وقت مریض عالم ہوش میں تھا۔ میں نے اسے ایک پرانی بیاض دکھلائی اور کہا کہ دیکھو، اس بیاض میں کیا لکھا ہے؟ بیاض میں لکھا تھا کہ اگر کوئی شخص جنات کی لپیٹ میں آجائے تو اسے فلاں عزیمت (دعا) پڑھ کر جن سے کشتی لڑنی چاہیے اور حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نذر ماننی چاہیے کہ اگر میں جن پر غالب آگیا تو یہ اور وہ کارِ خیر کروں گا۔ مریض سے اس طرح تقریر کی گئی کہ اسے عزیمت (دعا) کی برکت و طاقت پر سو فیصدی یقین آگیا۔ آنا ہی چاہیے تھا اور اس عزیمت یعنی اپنے عقیدے کی طاقت سے وہ بہت حد تک صحت مند ہو گیا۔ اس کے معنی یہ نہیں

کہ جنات کے اثرات دفع کرنے کے لئے جو عملیات کئے جاتے ہیں وہ بیکار ہیں اور سارے عامل صرف نفسیاتی طریقے پر عمل کرتے ہیں، ایسا نہیں عملیات کی اہمیت اپنی جگہ ہے طبی نفسیات کی اپنی جگہ! دیکھنا یہ ہے کہ علاج کے دوران کس وقت کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

اکبر شاہ جن

ڈاکٹر مسعود احمد چشتی (بلاک نمبر ۶۔ سنٹرل طبیہ کالج سرگودھا) لکھتے ہیں کہ ایک نوجوان باکرہ لڑکی کو ہر سال ایک سانپ مقررہ تاریخ یعنی ۲۹ اگست کو ڈستا ہے۔ اس سے پہلے تین چار سانپ مارے جا چکے ہیں مگر ڈسنے والے سانپ کا پتہ نہیں چلتا۔ خط و کتابت کے بعد آپ کے مشورے سے لڑکی کو چراغوں کے سامنے بٹھایا گیا۔ دیئے روشن کئے گئے اور مریضہ (جن گرفتہ لڑکی) کو سرخ کپڑے پہنا کر چراغ کے سامنے بٹھایا گیا اور لڑکی سے کہا گیا کہ وہ چراغ پر پلک جھپکائے بغیر نظریں جمائے۔ اس کے بعد سورۃ جن کی تلاوت شروع کی گئی۔ جب سورۃ جن کی تلاوت دوسری مرتبہ کی جا رہی تھی تو لڑکی ہچکی کھا کر زمین پر گر پڑی جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے اسے زمین پر دے پٹکا۔ لڑکی نے اس حیران کن حالت میں اعلان کیا کہ میرا نام اکبر شاہ جن ہے اور میں حضرت داتا گنج بخش کے خدام میں شامل ہوں۔ جن سے کہا گیا کہ وہ لڑکی کو پر اسرار سانپ کے ڈسنے سے نجات دلا دے لیکن کوئی تشفی جواب نہ ملا۔ اب اس جن گرفتہ لڑکی کی حرکات سنئے ا۔ پورا گھڑا جس میں چھ سات سیر پانی تھا غٹ غٹ چڑھا گئی (۲) چائے کی پیالیوں والی کیتلی کی ٹونٹی منہ سے لگا کر گرم گرم پانی پی گئی (۳) دورے کی حالت میں مریضہ چھلانگیں لگاتی ہے شور مچاتی ہے۔ اکبر شاہ نے (جو مریضہ پر مسلط ہے) ہمارے دوست محمد اقبال سے مطالبہ کیا کہ پانچ سو روپے دلاؤ (۴) لڑکی کو بتائے بغیر ایک شخص

شخص کو بھیجا گیا کہ عامل (جنّ اُتارنے والے) کو بلا لائے۔ لڑکی نے چیخ چیخ کر کہا کہ عامل کو بلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا (۵) ڈاکٹر اس دورے کو ہسٹریا کا دورہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ایک شخص سے کہا گیا کہ وہ برومائڈ (ہسٹریا کی دوا) لے آئے۔ لڑکی نے کہا کہ میں ہسٹریا کی مریضہ نہیں۔ برومائڈ کے استعمال سے کیا فائدہ ہوگا؟ (۶) مریضہ کی اطلاع کے بغیر سادہ پانی میں برومائڈ ملا کر اسے دیا گیا۔ لڑکی نے تھپڑ مار کر اس گلاس کو توڑ دیا کہ مجھے سادہ پانی میں برومائڈ ملا کر پلانے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔ ڈاکٹر مسعود احمد چشتی رقم طراز ہیں کہ آپ کو ان حالات سے مطلع کیا گیا تو آپ نے ہدایت کی کہ فلاں سورہ پانی پر دم کر کے مریضہ کو پلاؤ۔ اس ہدایت پر عمل کیا گیا مگر بے سود، اس علاقے میں جتنے عامل رہتے تھے سب کو بلایا گیا۔ آزمایا گیا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پیر سیال شریف اور دوسرے بزرگوں نے اکبر شاہ جن پر قابو پانے اور اسے بھگانے کی تدبیریں کیں لیکن وہ اب تک اس لڑکی پر مسلّط ہے۔ مریضہ اب اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے، اس کے بعد کے واقعات بے حد غم انگیز اور دردناک ہیں (۱) جن گرفتہ مریضہ کا گھر بالکل تباہ ہو چکا ہے (۲) جن کے جنون میں مبتلا ہو کر اس نے چارپائیاں توڑ ڈالیں، ماں بہنوں کی زبردست بے حرمتی کی چھلانگ لگا کر چھت پر چڑھ گئی اور پھر چھلانگ لگا کر چارپائی پر کود کی اور اسے توڑ دیا۔ مزید تشویشناک بات یہ ہے کہ یہ جن گرفتہ لڑکی جس گھر میں جاتی ہے وہاں تباہی مچ جاتی ہے مثلاً محمد حسین شیر فروش کے گھر آنا جانا شروع کیا تو وہ ڈاکہ زنی کے شبہے میں پکڑا گیا۔ تلاشی پر مال مسروقہ برآمد نہیں ہوا: تاہم جیل کی ہوا کھا رہا ہے۔ محمد حسین کی بیوی پر فالج گر گیا۔ منجھلے لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ خود ڈاکٹر مسعود احمد چشتی (جنہوں نے لڑکی کے علاج میں کافی دلچسپی لی تھی) اکبر شاہ جن کی ہلاکت انگیزی سے نہ بچ سکے۔ ان کی صحت مند گریجویٹ بیوی ۱۰ر جنوری ۱۹۷۳ء کو وفات پا گئیں ملکیتی مکان چھوڑنا پڑا۔ اب کرائے کے مکان میں سکونت ہے۔ پہلے مطب خوب چل رہا تھا کئی دائیاں اور نرسیں کام کرتی تھیں۔ اب مطب

اجاڑ ہنے۔ الّو بول رہا ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد چشتی نے اپنے دوسرے خط مورخہ ۱۵ دسمبر ۷۲ء میں لکھتے ہیں کہ جن گرفتہ لڑکی کی زبان سے اکبر شاہ جن کی جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ اکبر شاہ ڈھائی لاکھ جنوں کے قبیلے کا سردار ہے۔ یہ وہ قبیلہ ہے جو حضرت سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اکبر شاہ جن کے قبیلے کے افراد خود عمل، وظیفے اور ذکر اذکار میں مشغول رہتے ہیں۔ لہٰذا ان پر معمولی عملیات اثر انداز نہیں ہوتے۔ اکبر شاہ جن سے آپ کا ذکر کیا گیا تو اس نے بڑی عقیدت سے آپکے حالات سنائے۔ وہ ادیب کی حیثیت سے آپ کا بڑا احترام کرتا ہے، اس عقیدت کے باوجود تعجب ہے کہ اس نے ہماری نقصان رسانی میں کمی نہ کی۔ آزاد قبائل کے مشہور پیر فقیر ایپی کی سالی کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ فقیر صاحب کی سالی پر ایک جن مسلّط ہو گیا۔ بڑے بڑے مشائخ نے جن اتارنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر پیر بغداد سید یوسف شاہ جیلانی سے رجوع کیا گیا۔ پیر جیلانی نے بہت زور مارا مگر اس جن پر غالب نہ آسکے۔ کیونکہ وہ خود سورۂ مزمل کا عامل تھا۔ اب میں بھی اسلامی ہپناٹزم کے ذریعے تسخیر جنّات کا طریقہ سیکھ گیا ہوں مگر اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے۔

جن کا اِدراک

اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے بار بار یہ سوال آپکے ذہن میں پیدا ہوا ہو گا کہ جن لوگوں کو جن گرفتہ کہا جاتا ہے ان پر سچ مچ کوئی نادیدہ مخلوق مسلّط ہو جاتی ہے یا وہ سیدھے سادھے ہسٹریا کے مریض ہوتے ہیں اور دماغی دورے کی حالت میں اعلان کر دیتے ہیں کہ میں اکبر شاہ جن ہوں۔ مذہبی عقائد، مذہبی ادبیات اور مذہبی تاریخ کی رو سے جن کا وجود ثابت ہے۔ لیکن اس "ثابت" کو علمی اور عقلی طور پر ثابت کرنا آسان نہیں جتنی اہمیت عقیدے کی ہے، اتنی ہی عقل کی ہے۔ بلکہ عقل کی اہمیت عقیدے سے زیادہ ہے کیونکہ جو عقیدہ

(مثلاً بت پرستی) عقل سلیم کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا، اسے ٹھکرا دینا چاہیئے۔ ہم مسئلے کے اس پہلو پر گفتگو کر چکے ہیں۔ سائنسی اعتبار سے ایک ایسی آتشیں مخلوق کا وجود جو نظر نہ آئے مگر افراد اور اشیاء پر اثر انداز ہو سکے، ناممکن نہیں ہے۔ ظہورِ حیات کے صدہا کیمیاوی فارمولے ممکن ہیں۔ یہ کیوں ضروری ہے کہ نظر آنے والی مخلوق عناصر کی جس ترتیب سے پیدا ہوئی ہے عناصر کی کسی دوسری ترتیب سے کام لے کر نظر نہ آنے والی مخلوق (مثلاً جن، فرشتے وغیرہ) کو فطرت خلعتِ حیات نہ بخش سکتی ہو۔ اگر مٹی اور پانی سے انسان پیدا ہو سکتے ہیں تو فطرت تخلیق کی عجوبہ کاریوں سے بعید نہیں کہ وہ آگ اور دھویں سے ایک ایسی قوم کو وجود میں لے آئے جو کرۂ ارض کی تمام دیدہ مخلوقات سے بالکل مختلف ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ ہم جنوں کا ادراک نہ آنکھ سے کرتے ہیں نہ کان سے (یعنی حواس خمسہ ان کو معلوم کرنے سے عاجز ہیں) صرف "حس مشترک" کے ذریعے ہم اس مخلوق کا ادراک کر سکتے ہیں۔ حسِ مشترک وہ حس ہے جو خیالی صورتوں کا ادراک کرتی ہے۔ بہرحال اصل اور بنیادی سوال وہی ہے کہ ہم اس قسم کے معمولوں کو (جس کی مثال ڈاکٹر مسعود احمد چشتی نے پیش کی) جن گرفتہ اور آسیب زدہ سمجھیں یا ہسٹریا اور شیزوفرینیا کی مریضہ! عام طور پر معمول لڑکیاں اور مریض مرد واقعی دماغی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، البتہ دس پندرہ ہزار دماغی مریضوں میں ایک آدھ کیس ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض کسی نادیدہ طاقت کے زیر اثر آ جاتا ہے۔ مسعود چشتی نے جس مریضہ کا ذکر کیا ہے میں تو اسے صرف ہسٹریا کی مریضہ ماننے پر تیار نہیں۔ وہ اکبر شاہ جن ہوں یا جہانگیر شاہ عفریت! بہرحال اس کی شخصیت کا مرکزی حصہ کسی جناتی طاقت کی گرفت میں ضرور ہے۔ مقررہ تاریخ پر یعنی ۲۹ اگست کو سانپ کا ڈسنا اور ہر سال ڈسنا، دورے کی حالت میں پانی کا پورا گھڑا ڈگڈگا کر پی لینا۔ چائے کی بھری ہوئی گرما گرم کیتلی منھ سے لگا کر غٹ غٹ چڑھا جانا، اچھل کر چھت پر چڑھ جانا۔ یہ سب مافوق العادت (ابنارمل) کام یا کارنامے ہیں، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہسٹریا کے مریض میں فوق البشری

طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس طرح ہپناٹزم کا معمول تنومی نیند میں عامل کی ہدایت پر ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ عام آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ یا پاگل آدمی جنون کے دورے میں چار چار پانچ پانچ آدمیوں کے قابو سے نکل جاتا ہے، اسی طرح ہسٹریا کا مریض شعور معطل ہونے یعنی عالم بے خبری میں بہت کچھ کرتا اور کر سکتا ہے۔ میں نے ہسٹریا اور آسیب زدگی کے بے شمار کیسوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ ہسٹریا کا دورہ ہو یا جنّات کا دَورہ۔ ان دونوں کی علامتیں مشترک ہوتی ہیں۔ دماغی مریضوں میں قوتِ ارادہ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ انسانی انا۔ کہ میں میں ہوں۔ کا سب سے بڑا مظہر اس کا ارادہ ہے۔ اگر ارادے کی قوت معطل ہو جائے تو انا، ایک موہوم تصوّر بن کر رہ جاتی ہے۔ ہسٹریا، اور شیزوفرینیا کے مریض آزاد ارادے کی قوت سے محروم ہوتے ہیں، ان کے نفس کا یہ خانہ خالی ہوتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ "خانۂ خالی را دیو می گیرد" یعنی خالی گھروں پر بھوت پریت قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ جنّات نامی ایک مخلوق موجود اور ہمارے گرد وپیش کارفرما ہے۔ ہم یہ تصوّر کر سکتے ہیں کہ جن عورتوں یا مردوں کی دماغی فعلیت اور ذہنی میکانزم ابتر ہو جاتا ہے، ان پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی پراسرار طاقت مسلّط ہو جاتی ہے۔ یعنی دماغی دورے اور جن گرفتگی کسی حد تک لازم وملزوم ہیں۔ عربوں کا تصوّر یہ تھا کہ ہر مجنون جن گرفتہ ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس تصوّر میں بہت حد تک صداقت موجود ہے۔ اگر ہم مضبوط ارادے کے مالک ہوں تو نہ ہم جذبات سے مغلوب ہو سکتے ہیں نہ جنات سے!

جب انسانی ارادہ فاتح کائنات ہے تو فاتح جنّات کیوں نہ ہو گا؟ جس مشتِ خاک کو فرشتے سجدہ کر چکے ہیں اسے آتشی مخلوق (گندھک اور نوشادر کے آمیزے) سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ البتہ جب انسانی دماغ کے قوا یعنی اس کی ذہنی اور اعصابی قوتیں کسی گہرے اور دور رس جذباتی دھچکے کی بنا پر پلپٹ ہو جاتی ہیں تو اس پر کوئی بھی سواری گانٹھ سکتا ہے۔ جن ہو یا آسیب۔ ہسٹریا کا حملہ ہو یا شیزوفرینیا کا!

مختصر یہ کہ دماغ کے ایب نارمل کیسوں میں ایک سپر نارمل عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔

جنّ کی خوشبو

مختار مغل (بندر روڈ کراچی) اپنے خط مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۷۲ء میں رقم طراز ہیں کہ ۱۹۷۰ء کے آخر کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ سالہا سال سے میں ایک بزرگ کے مزار پر ہر جمعرات کو حاضری دینے کا عادی ہوں۔ ایک روز نماز مغرب کے بعد احاطۂ مزار سے واپس آیا تو دیکھا کہ ایک ہجوم جمع ہے۔ ہجوم کو چیر کر میں بھی اندر پہنچ گیا۔ عجیب منظر دیکھ میری روح تک لرز اٹھی دیکھا کہ ایک نہایت حسین نوجوان عورت وجد کے عالم میں برہنہ کھڑی جھوم رہی ہے۔ سر کے بال کھلے ہوئے ہیں اور لباس تار تار ہو چکا ہے، کچھ لوگ اس کے جھومنے سے لطف اندوز ہو رہے تھے بعض کی حریص نظریں اس کے خوبصورت جسم پر مرکوز تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر مارے غیرت کے میرا خون کھول گیا، میں نے جلدی سے لڑکی کو دوپٹہ اڑھایا۔ اس کا دوپٹہ زمین پر پڑا تھا۔ دوپٹے میں سے عجیب قسم کی خوشبو آرہی تھی۔ ایک بات آپ کو بتانا بھول گیا۔ سانس کی مشق کے بعد جب مجھ پر ڈوب جانے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو کا ہے گا ہے خود بخود دماغ معطر ہو جاتا ہے اس حالتِ خاص میں اگر کسی آسیب زدہ یا جن گرفتہ کے دوپٹے یا کپڑے کو سونگھوں تو مجھے اس میں سے لوبان یا نازبو کی مہک آتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کپڑا کسی ایسے شخص کے جسم پر رہا ہے جس کے ذہن پر جنّات کا تسلّط ہے۔ سانس کی مشق کے عالم میں اگر کوئی اچھی روح آپ کے قریب سے گزرے گی تو لازماً آپ کو گلاب، موتیا اور چنبیلی کی خوشبوئیں محسوس ہونگی اور اگر کسی خبیث روح کا پھیرا ہوگا تو خود بخود بدبو آنے لگے گی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ سانس کی مشق سے انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں تو یہ عرض کرنا یہ ہے کہ میں نے اس جن گرفتہ دوشیزہ کا دوپٹہ سونگھا تو نازبو کی تیز خوشبو سے دماغ مہک اٹھا۔

دل سے یا گلستان سے آتی ہے
تیری خوشبو کہاں سے آتی ہے[1]

میں نے ایک دم اس جھومتی ہوئی، حالتِ وجد میں بے خود و سرشار انجانی دوشیزہ کے بال پکڑ لئے۔ وہ بدستور جھوم رہی تھی اور اس جھومنے کی کیفیت بڑی عجیب و غریب تھی۔

نزہت کدہ کون و مکاں جھوم رہا ہے
میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے

میں نے مضبوطی سے لڑکی کے بال پکڑ لئے۔ اس نے غرا کر مجھے دیکھا، اس کی خوبصورت آنکھیں خون کبوتر کی طرح لال ہو گئیں جیسے انگارے دہک رہے ہوں۔ جوں ہی میری نظر جن گرفتہ لڑکی کی آنکھوں پر پڑی، اچھی خاصی خنکی کے باوجود میں پسینے میں تر بتر ہو گیا۔ میں نے سوال کیا۔

تم کون ہو؟

مجنون یا بے خود لڑکی نے میرے ہی الفاظ دہرا دیئے اور کہا۔

تم کون ہو؟ اور تمہیں میرے بالوں پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کیسے ہوئی (جھنجھلا کر) چھوڑ دو میرے بال!

میں نے اس کے بالوں پر ہاتھوں کی گرفت اور مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

میں سچل سرمستؒ کا مرید ہوں اور مجھ میں یہ قوت موجود ہے کہ تیری گردن موڑ دوں۔

میری اس دھمکی سے وہ لڑکی مرعوب ہو گئی یا وہ جن مرعوب ہو گیا اور پھر جن کی معمولہ مجھ سے سندھی میں کہنے لگی کہ:

میرا نام عبدالقدوس ہے اور میں مکلی کا جن ہوں۔ یہ لڑکی مکلی آئی تھی، اس نے میرے آستانے کے قریب گندگی پھیلائی اور میں نے اس کی گردن داب لی (لڑکی یا عبدالقدوس جن نے مزید بتایا کہ) جب سچل سرمست بقید حیات تھے تو میں حضرت کی محفل سماع میں حاضر ہوا کرتا تھا

---

[1] نثر میں اکثر شعر کا اضافہ میں کر دیا کرتا ہوں تاکہ عبارت سج جائے (رئیس)

اس پر میں نے لڑکی سے کہا کہ عبدالقدوس! تم سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو تو پھر میرے پیر بھائی ہوئے۔ پیر بھائی اپنے پیر بھائی کی بات نہیں ٹالا کرتے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی اس لڑکی کو تنگ نہ کرو گے۔

لڑکی یا جن نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا کہ:

ٹھیک ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ لڑکی کبھی سرخ کپڑے نہ پہنے گی۔

اچھا تم اسے شادی کی اجازت تو دے دو۔ ہم نے عبدالقدوس جن سے درخواست کی یہ صرف شادی کے دن لال جوڑا پہنے گی۔ پھر بھی کبھی نہ پہنے گی ہم وعدہ کرتے ہیں۔

جن نے تسلیم و اقرار میں سر ہلایا اور سچل سرمست کا مخصوص نعرہ۔

"حق موجود"

لگایا۔ جس کے جواب میں میں نے بھی "سدا موجود" کا نعرہ لگایا، لڑکی غش کھا کر گر پڑی۔ اس کے یہ معنی تھے کہ وہ ان دیکھی طاقت (خواہ اس کا نام عبدالقدوس ہو یا کچھ اور) اپنی معمول کو اس کے حال پر چھوڑ کر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو ہوش آیا تو اس کے باپ نے ایک چادر اسے اوڑھا دی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی نیند سے بیدار ہوئی ہے۔ لڑکی کے باپ نے قسم کھا کر کہا کہ لڑکی سندھی زبان سے قطعاً واقف نہیں۔ یہ سندھی کا ایک فقرہ بھی نہیں بول سکتی، یہ سندھی میں تم سے کیا گفتگو کر رہی تھی۔ میں نے اسے گفتگو کا خلاصہ بتلایا۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ یہ بے چاری ایک سال سے اس عارضے میں مبتلا ہے۔ ہر جمعرات کو اس کی حالت غیر ہو جاتی تھی، میں اسے بہت سے مزاروں پر لے گیا۔ متعدد پیروں فقیروں کی خدمت میں حاضری دی۔ تم پہلے شخص ہو جس نے اس جن سے بات چیت کی۔

حال ہی میں اس لڑکی کی شادی ہوئی ہے۔ میں اس تقریب میں شریک تھا۔ گھر والوں نے مارے ڈر کے دلہن کو لال جوڑا نہیں پہنایا۔ سبز جوڑا پہنایا، الحمدللہ کہ اب دولہا دلہن پر مسرت

زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جناب ! میرا تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ سانس کی مشقیں کرتے ہیں ان میں ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ جن و آسیب کو شناخت کر سکتے ہیں۔ اگر سانس کی مشقیں کرنے والا آسیب زدہ یا جن گرفتہ لڑکی کے بالوں یا کپڑوں کو سونگھے تو اسے کبھی ناز بو اور کبھی لوبان کی خوشبو آئے گی۔ یہ ہے میرا تجربہ!

مرد بزرگ

ایم جاوید نیازی (لائل پور) کا بیان بھی سنئے :

جب میری عمر تقریباً بارہ سال کی تھی تو مجھے قرآن حکیم کی تلاوت اور نماز وغیرہ سے بے حد لگاؤ تھا، ایک روز اتفاقات کے دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔ خیال یہ ہوا کہ نمازِ صبح کا وقت قریب ہے، مسجد نور چلنا چاہیئے جو ہمارے گھر سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی، چنانچہ مسجد کے لئے روانہ ہو گیا۔ راستے میں کسی نے باآواز بلند میرا نام لے کر مجھے پکارا، میں نے مڑ کر دیکھا، مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ راستے میں چوکیدار ملا، کہنے لگا، نیازی صاحب، کہاں جا رہے ہیں؟ رات کے دو بجے ہیں۔ میں نے چوکیدار کی بات سنی ان سنی کر دی اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا کہ دو نہیں چار بجے ہیں۔ جب میں مسجدِ نور میں پہنچا تو دروازہ بند تھا، آواز دینے پر دروازہ کھلا ملائے مسجد میری نا وقت آمد پر حیران کہ دو بجے یہ کہاں آ گیا، میں اندر گیا تو مسجد کے گھنٹے میں دو بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ اب مجھے اپنی جلدبازی کا احساس ہوا، میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ معاف کرنا میں وقت سے پہلے آ گیا ہوں کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں یہیں سو جاؤ میں نے کہا کہ اب سونے کا وقت نہیں۔ آپ آرام کریں۔ میں تلاوت کرتا ہوں۔ آپ کو چار بجے جگا دوں گا۔ مولوی صاحب اپنے حجرے میں آرام کرنے چلے گئے اور میں قرآن مجید کھول کر بیٹھ گیا کہ یک لخت ایک آواز بلند ہوئی۔ " زور سے پڑھو "

میں ڈر گیا، اِدھر اُدھر دیکھا، آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ تاہم میں نے تلاوتِ کلام

پاک جاری رکھی اور پھر سنتیں شروع کردیں۔ سنتوں سے فارغ ہو کر پھر تلاوت کے ارادے سے قرآن مجید کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے مقابل نوے یا سو سال کے ایک مرد بزرگ جلوہ گر ہیں۔ سفید داڑھی، نورانی چہرہ، سبز چولہ۔ سر پر کپڑے کی ٹوپی، ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں لوٹا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئے اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ :

پڑھو!

اب اسے میرا خوف کہہ لیجئے یا ضد کہ ان بزرگوار کے بار بار فرمانے کے باوجود میں نے قرآن سنا کر نہ دیا۔ انہوں نے سوال کیا۔

کیا مانگتے ہو؟

میں نے کہا کچھ نہیں۔

وہ بزرگ غائب ہو گئے اور میں الٹے پاؤں گھر واپس آگیا۔ گھر واپس آکر عجب حال ہوا۔ تیز بخار، لال آنکھیں بس عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ ہر وقت ایک حالتِ بے خودی طاری رہتی اور قوالیوں کے مصرعے گنگناتا رہتا تھا۔ اس کے بعد جاوید نیازی نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی تباہی کی داستان لکھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خوش حال گھرانے کی تباہی میں ان ہی پیر مرد کا ہاتھ تھا جو حیرت انگیز طور پر مسجد میں نمودار ہوئے تھے اور چھلاوے کی طرح نظر سے اوجھل ہو گئے۔ کیا یہ مرد بزرگ جن تھے؟

ہنومان جن

ڈاکٹر اے۔ آر۔ جاوید (پوسٹ آفس سکرنڈ ضلع نوابشاہ) کے خط کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

ہمارا پیشہ زمینداری ہے اور رشتے داروں کے چار پانچ گھرانے ایک ہی احاطے میں سکونت پذیر ہیں۔ بھائی بیاہ کر کے جب سے بیوی کو گھر لائے تھے۔ بھابی کا قاعدہ یہ تھا کہ صبح چار بجے

اٹھتیں اور گھر کے کام کاج میں لگ جاتیں۔ دوسروں کے جاگنے تک وہ مویشیوں کا گوبر اٹھاتیں، جھاڑو دیتیں اور صبح ہوتے ہوتے گھر والوں کا ناشتہ تیار کر دیتیں۔ محنت کے سبب بھابی کا معدہ کافی مضبوط تھا۔ چھ سات روٹیاں کھانے کے بعد بھی شکایت کرتیں کہ پیٹ نہیں بھرا، ہم یہ سمجھ کر کہ کام زیادہ کرتی ہیں اس لئے بھوک بھی زیادہ لگتی ہے، ان باتوں پر توجہ نہیں کرتے تھے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اتنا کام کرتے وقت ان کے ماتھے پر کبھی بل نہ آتا تھا۔ نہ کبھی شکوہ ہی کرتیں کہ اتنے آدمی گھر میں موجود ہیں، کام کا بوجھ مجھ پر ہی کیوں ڈال دیا گیا ہے۔ چھ مہینے تک صورتحال یہی رہی۔ پھر یکایک ہم نے محسوس کیا کہ ان کے طرزِ عمل میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ ان کی بھوک بالکل گھٹ گئی اور اس لئے کام بھی چھوڑ دیا۔ چند روز بعد بھابی پر دورے پڑنے لگے۔ ہوتا یہ کہ وہ دورہ پڑنے سے قبل چھپ جاتیں اور پھر گر کر بے ہوش ہو جاتیں۔ دورے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ کبھی رات کو پڑتا، کبھی دن میں ان کی گود میں تقریباً دو سال کی بچّی تھی۔ اس زمانے میں بچّی سے پیار بھی کم ہو گیا تھا، دورے سے ہوش میں آنے کے بعد ان کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہوتے۔ رنگ پیلا پڑ جاتا۔ ہوش میں آنے کے دس پندرہ منٹ بعد تک اتنی سکت نہ ہوتی کہ اٹھ بیٹھیں۔ دورے کے بعد جب گھر والے پوچھتے کہ کیا ہو گیا تھا۔ تو کہتیں کہ:

کیوں پوچھتے ہو؟ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟

پانچ چھ مہینے تک یہی حالت طاری رہی۔ اس زمانے میں کافی علاج کرائے گئے، مگر بے فائدہ، میں خود بھی ڈاکٹر ہوں۔ پریکٹس کرتا ہوں، متعدد دوائیں تجویز کیں۔ دوا کے اثر سے چند روز دورہ نہ پڑتا تھا پھر وہی حالت شروع ہو جاتی تھی۔ جب دوائیں مؤثر ثابت نہ ہوتیں تو مریضہ کا روحانی علاج شروع کیا گیا۔ تعویذ وغیرہ دیئے گئے، وہ بھی بے اثر نکلے۔ ہمارے ایک دوست نے جو مولوی صاحب تھے بتایا کہ فلاں جگہ ایک عامل رہتے ہیں، اس قسم کے جناتی مریضوں کا علاج کرتے ہیں اور انکے علاج سے بعض لوگوں کو فائدہ بھی ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ ان

عامل صاحب کو بلوایا جائے۔ ابھی ہم ان عامل صاحب کو بلانے کے لئے مشورہ کر ہی رہے تھے کہ پتہ چلا۔ خود وہ عامل صاحب اپنے مریدوں سمیت فلاں جگہ آئے ہوئے ہیں جو ہمارے گوجرانوالہ سے قریب ہے۔ چنانچہ ان عامل صاحب کو بلوایا گیا۔ گھر میں کسی کو علم نہ تھا کہ عامل صاحب کو بلوایا گیا ہے۔ جوں ہی عامل صاحب نے گھر میں قدم رکھا۔ مریضہ پر شدید دورہ پڑ گیا۔ عامل صاحب کو علیحدہ مقام پر ٹھہرا دیا گیا اور مریضہ کی حالت سے اطلاع دی گئی۔ انہوں نے والد صاحب کو ایک آیت بتلائی اور کہا کہ یہ آیت پڑھ کر مریضہ پر دم کر دو، والد صاحب نے آیت پڑھ کر مریضہ پر پھونک ماری تو وہ ہوش میں آ گئیں۔ دورے کی کیفیت دور ہو گئی۔ عامل صاحب نے حکم دیا کہ مریضہ شام تک قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے۔ مریضہ نے حکم کی تعمیل کی تو انہیں ایسا محسوس ہوا (یہ بھابی صاحبہ کا بیان ہے) کہ جیسے ایک سایہ اندر گھوم رہا ہے۔ عشاء کے وقت تک عامل صاحب نے مریضہ کو نہیں دیکھا تھا، عشاء کے بعد انہوں نے عمل کا ارادہ کیا۔ زمین پر چادر بچھا دی گئی۔ چادر پر بھابی کو بٹھا دیا گیا۔ خود عامل صاحب دور ایک چارپائی پر تشریف فرما ہوتے۔ ریت سے بھرا ہوا ڈبہ منگوایا گیا۔ اگربتیاں منگوا کر اس ریت میں گاڑ دیں۔ ہاں۔ یہ بات بتانی رہ گئی کہ عامل صاحب کے ساتھ دوسرا ایک شخص اور بھی تھا۔ جسے وہ اپنا خلیفہ کہتے تھے۔ خیر عامل صاحب نے پہلے کوئی وظیفہ پڑھا۔ پھر کلام پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ اس کے بعد مریضہ سے پوچھا۔

"تو کون ہے؟ (کئی مرتبہ پوچھنے کے بعد کوئی جواب نہ ملا) تو عامل صاحب کو جلال آ گیا۔ تیور اور لہجہ بدل کر کہنے لگے کہ بتاتا ہے یا نہیں کہ تو کون ہے؟ ورنہ تیرا کوئی اور علاج کروں۔ اس پر مریضہ نے کہا کہ میں جن ہوں۔

کیا نام ہے تیرا؟

میرا نام ستومان جن ہے۔

عامل صاحب نے پوچھا کہ تو اسے کیوں پریشان کرتا ہے؟

تو مریضہ یا ہنومان جن نے جواب دیا کہ اس نے میرے گھر پیشاب کیا ہے۔
تمہارا گھر کہاں ہے۔ عامل صاحب نے دریافت کیا۔
میرا گھر بیری کے پیڑ کے نیچے ہے (بیری کا یہ پیڑ ہمارے گھر سے تھوڑی دور ہے، ادھر لوگ رفع حاجت کے لئے جاتے ہیں) پھر عامل صاحب نے کہا کہ تم اسے چھوڑ کر جاتے ہو یا نہیں۔ جن نے کوئی جواب نہیں دیا، تو پھر عامل صاحب نے ڈانٹنا شروع کیا، آخر جن نے اقرار کیا کہ چھوڑ کر جاتا ہوں۔ عامل صاحب نے کہا کہ جاتے وقت کوئی نشانی دے کر جاؤ۔ جن نے کہا کہ کس قسم کی نشانی چاہتے ہو، عامل صاحب نے کہا کہ جس چادر پر مریضہ بیٹھی ہے اسے نیچے سے نکال کر دور پھینک دو، مریضہ کو گرا دو، اگربتیاں بجھا دو۔ یہ ہے تمہارے جانے کی نشانی! پھر ایسا ہوا کہ چادر ہلتی ہوئی نظر آئی مگر مریضہ اپنے مقام پر بیٹھی رہی اور اگربتیاں سلگتی رہیں، عامل صاحب نے غصے میں کہا کہ تمہیں جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو، ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ عامل صاحب کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ یکایک اگربتیاں بجھ گئیں مریضہ گر پڑی اور چادر اس کے تلے سے نکل گئی۔ عامل صاحب نے مریضہ سے کہا کہ کلمہ پڑھو، بھابی نے کلمہ پڑھا۔ عامل صاحب نے کہا کہ جا کر سو رہو۔ بھابی کافی نڈھال نظر آتی تھیں۔ دوسرے روز ہم نے بھابی سے پوچھا کہ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ کہنے لگیں۔ بالکل ہلکی۔ دوسرے روز صبح کو عامل صاحب نے ہمارے گھر کی بھیڑ کے کان سے خون نکالا اور اس خون سے ایک تعویذ لکھا۔ بھیڑ کے لئے حکم دیا کہ اسے کسی مسکین یا فقیر کو دے دو یا ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹ دو۔ خبردار اس بھیڑ کو ہرگز ہرگز گھر میں نہ رکھنا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس بھیڑ کا مستحق کون ہوگا؟ آپ ہی قبول فرمالیں۔ چنانچہ ان بزرگوار نے وہ بھیڑ قبول فرمالی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر عامل صاحب نے اجازت طلب کی۔ ان کا چیلا جسے وہ اپنا خلیفہ کہتے تھے، کہنے لگا کہ حضرت! یہ لوگ بڑے خوش اخلاق ہیں شریف ہیں۔ بہتر ہے کہ کچھ وقت ان کے پاس گزاریں اور ان سے کہیں کہ کچھ ہماری مدد کریں۔ عامل صاحب نے چیلے کی رائے پر صاد

کیا اور والد سے کہا کہ ہم ایک مقدمے میں ماخوذ ہیں اور چار ہزار روپیہ دینا ہے۔ ان چار ہزار میں سے تین ہزار ہم ادا کر چکے ہیں۔ ہزار روپے ادا کرنے ہیں۔ تم ان ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے کی حامی بھر لو۔ باقی کا اللہ مالک ہے۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ ہم نے ابھی ابھی زمین کی قسط ادا کی ہے۔ اس وجہ سے ہم اتنی بڑی رقم کی ادائیگی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ پیر و مرشد کے خلیفہ نے کہا۔

روپیہ نہیں تو چوپایہ ہی سہی۔

والد صاحب نے کہا کہ ہماری گایوں بھینسوں میں جو جانور پسند آئے کھول لو۔ چیلے نے تمام مویشیوں کو ٹٹول کر دیکھا۔ بھینس دو دو ہزار کی تھیں۔ ان کو کھولنے کی تو ہمت نہ ہوئی چھ سو سات سو روپے کا ایک بیل ہتھیا لیا۔

اس سلسلے میں ایک بات قابلِ ذکر ہے۔ وہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جب وہ دونوں (پیر و مرشد اور ان کے خلیفہ) اکیلے ہوتے تو اپنی ایجاد کردہ زبان میں گفتگو کرتے، انکے اشاروں سے ہمیں اندازہ ہوتا کہ اپنے اس ڈرامے کی کامیابی سے وہ مطمئن ہیں، ہم ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے، البتہ ان کے اشاروں کنایوں سے اُن کا خبث باطن ظاہر ہوتا تھا۔ ہمارے ایک بھائی خفیہ طور پر ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ عامل صاحب اور چیلا دونوں وقفے وقفے سے چرس اور بھنگ پیتے۔ باتوں باتوں میں دوپہر ہو گئی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ شام کو چلے جائیں۔ عامل صاحب شام تک ٹھہرنے پر رضی ہو گئے اور بھائی کو پیسے دیئے کہ اس کی چرس خرید کر لا دو۔ بھائی نے یہ تمام کہانی مجھے سنائی۔ میں نے والد ماجد کی خدمت میں عرض کی کہ ایسے ٹھگ بہتیرے پھرتے ہیں، انہیں کچھ نہیں دینا چاہیے، والد نے کہا کہ جب مریضہ کو فائدہ ہو گیا ہے تو آخر کیوں ان کی خدمت نہ کریں۔ میں اپنی جائداد اپنی اولاد پر سے قربان کر سکتا ہوں۔ تب میں نے کہا کہ میں خود عامل صاحب سے ملتا ہوں۔ مگر والد صاحب نے مجھے منع کر دیا۔ میرا اصرار تھا کہ بیس پچیس روپے دے کر ان سے معافی چاہی جائے۔ ورنہ میں پولیس

کو اطلاع کر دوں گا۔ والد صاحب اس پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ تب میں نے ان کی خدمت میں پچاس روپے پیش کئے کہ یہ ان ٹھگوں کو دے دیئے جائیں۔ والد صاحب نے قبول کیا اور ان سے کہنے لگے کہ حضرت! ہم غریب آدمی ہیں ہماری اوقات پچاس روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ عامل صاحب نے کہا کہ آپ غریب ہیں تو ہم آپ کے نہ دینے پر بھی راضی ہیں۔ شام کو عامل صاحب اپنے چیلے سمیت رخصت ہو گئے۔ تب ہمارے ملازم نے جو انکی خدمت پر مامور تھا، بتایا کہ عامل صاحب کہتے تھے کہ ہم نے ان کی مریضہ کو اچھا کر دیا جن بھگا دیا۔ انہوں نے بیل دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وعدے سے مکر گئے (پچاس روپے پر ٹرخا دیا) اچھا اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بیل کیسے نہیں دیتے۔ عامل صاحب نے ہمارے ملازم سے کہا ہم تمہیں ایک تعویذ دیتے ہیں جس طرح ممکن ہو، لڑکی کو پلا دینا۔ ملازم نے تعویذ لینے سے انکار کر دیا تو اسے ڈانٹنے لگے۔ غریب نے ڈر کر رکھ لیا اور عامل صاحب کے رخصت ہو جانے کے بعد والد صاحب کو تمام قصہ سنا دیا اور تعویذ نکال کر دے دیا۔ والد صاحب نے تعویذ پانی میں بہا دیا اس بات کو ایک مہینہ گزر گیا ہے۔ مریضہ رو بصحت ہے۔ اس پر کوئی دورہ نہیں پڑا۔ آخر میں ڈاکٹر اے۔ آر جاوید لکھتے ہیں کہ:

اب آپ سے استدعا یہ ہے کہ آپ ازراہ کرم ہمیں یہ بتلائیں کہ وہ عامل صاحب واقعی عامل یا پیر تھے۔ لڑکی کو کون سا مرض تھا؟ کیا واقعی جن تھا؟ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ اس کرشمے کی کیا حقیقت ہے؟

ڈاکٹر اے۔ آر۔ جاوید نے جس کرشمے کی حقیقت معلوم کرنی چاہی ہے وہ آج سے نہیں ہمیشہ سے انسانی عقل کے لئے ایک معمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخ اور قبل تاریخ کے ہر عہد میں انسانوں کا واسطہ چند "اسرار" سے رہا ہے۔ جاوید صاحب نے جس چرس نوش عامل کا ذکر کیا ہے وہ بھی ہر ملک اور ہر زمانے میں پائے جاتے رہے ہیں۔ جن گرفتہ مریضہ کی جو کیفیتیں انہوں نے بیان کی ہیں، جن اتارنے کے عمل کی جو تفصیلات لکھی ہیں، وہ ہم میں سے کسی کے لئے

اجنبی نہیں۔ اس سلسلے میں بعض باتیں قابلِ غور ہیں۔ مثلاً عامل نے مریضہ کے جن سے کہا کہ تمہارے جانے کی علامت یہ ہے کہ مریضہ جس چادر پر بیٹھی ہے اسے مریضہ کے نیچے سے نکال کر پھینک دو، اگربتیاں بجھادو، یکایک اگربتیاں بجھ گئیں۔ مریضہ گر پڑی اور چادر اسکے تلے سے نکل گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام کسی نادیدہ ہاتھ نے انجام دیئے۔ یہ نادیدہ ہاتھ کس جن کا تھا۔ اس کی تلاش میں تو عقلِ انسانی صدیوں سے سرگرداں ہے۔

بے تحاشا سایہ

میں بنام نصیر احمد طور، ڈسپنسر کی حیثیت سے تقریباً ڈھائی سال سے نوکری کر رہا ہوں میں مری روڈ پر راولپنڈی کے سنٹرل گورنمنٹ ہسپتال میں ڈسپنسر ہوں۔ آج سے کوئی پانچ چھ سال پہلے کی بات ہے کہ میرے ابا جی اپنے گاؤں کی مسجد (واقع ضلع گوجراں ڈاک خانہ منڈی بہاءالدین ضلع گجرات) میں رمضان کے دوران اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ آخر عشرۂ رمضان میں اعتکاف کی مدت پوری ہونے کے بعد ہم لوگ ابا جی کو گھر لے آئے اس رات ہم کافی دیر تک بات چیت کرتے رہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً سترہ سال کی ہوگی۔ رات کو باتیں کرتے کرتے میں ابا جی ہی کے ساتھ سو گیا۔ رات میں میں نے دیکھا کہ ابا جی کے بستر پر چاروں طرف او بہت سے بچے سو رہے ہیں۔ صبح کو جب میں نے یہ بات گھر والوں کو بتائی تو انہوں نے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ مذاق میں ٹال دیا۔ صرف یہ کہا کہ رات کو سونے سے قبل الحمد شریف، درود شریف اور دو چار سورتیں قرآن کی پڑھ لیا کرو، خیر یہ تو میں پہلے ہی سے پڑھتا تھا اور اب تک پڑھتا ہوں۔ ہماری مسجد کے ساتھ بہت بڑی حویلی ہے۔ اس حویلی میں پیپل کا ایک درخت کھڑا ہے۔ درخت کے ساتھ ایک چوبارہ بھی ہے۔ اس چوبارے میں ایک بزرگ چلہ کشی میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت میری عمر کوئی چھ سات سال کی ہوگی سننے میں آیا ہے کہ بڑے باکمال بزرگ تھے اور جنات

ان کے قبضے میں تھے۔ خیر عرض کرنا یہ ہے کہ ایک روز میں اس چوبارے میں سویا ہوا تھا۔ یہ عید الفطر کی رات تھی۔ سوتے میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک بہت بڑا سایہ میرے اوپر لیٹا ہوا ہے۔ اس سائے کا وزن بے تحاشا تھا۔ خیر میں نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھ کر الحمد شریف، کلمۂ طیبہ، آیۃ الکرسی اور جتنی دعائیں مجھے یاد تھیں، پڑھنی شروع کر دیں۔ وہ سایہ بدستور مجھ پر لیٹا ہوا محسوس ہوتا رہا۔ میں یہ دعائیں اور سورتیں عالم خیال میں پڑھ رہا تھا۔ لیکن آواز تو درکنار میرے ہونٹ تک نہ ہلتے تھے۔ میں نے پوری کوشش کی کہ بلند آواز سے پڑھوں یا خالہ کو آواز دوں۔ مگر ایسا لگا کہ حلق میں روئی ٹھنسی ہوئی ہے۔ غرض یہ کہ میں جس طرح جس حالت میں لیٹا تھا اس سے ایک انچ بھی جنبش نہ کر سکتا تھا۔ ہاتھ پاؤں کی طاقت سلب ہو گئی تھی کروٹ بدلنے تک کا سوال نہ پیدا ہوتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس حالت سے میری جاں بخشی کس طرح ہوئی ہے۔ صبح کو میں نے یہ واقعہ خالہ کو سنایا تو انہوں نے کچھ پڑھ کر مجھ پر دم کر دیا۔ اس روز "رمضان کی عید" تھی۔ نماز عید سے فارغ ہوئے تو بذریعہ خط اطلاع ملی کہ منجھلے ماموں کا کل رات آبائی گاؤں میں انتقال ہو گیا ہے۔ عید کی تمام خوشی خاک میں مل گئی خیال آیا کہ کل رات میرے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے (بے تحاشا سائے کا اوپر لیٹ جانا) وہ اس حادثۂ موت کی پیش خبری تو نہ تھا۔ پھر مجھے گاہے گاہے یہ تجربہ ہوتا رہا کہ وہی سایہ میرے ساتھ یا مجھ پر دراز ہے۔ کبھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ بہت سی ٹڈیاں میرے کمرے میں چل رہی ہیں کسی رات ایسا ہوتا ہے کہ میری خواب پولٹری فارم بن جاتی ہے اور مرغیوں اور بطخوں کے بچے کمرے میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کسی رات ایسا ہوتا ہے کہ سفید چادر اوڑھے ایک عورت دیوار کے ساتھ چلتی نظر آتی ہے۔ مگر اس کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ یہ تین مناظر، پراسرار ٹڈیاں، مرغی بطخ کے بچے اور چادر پوش خاتون اپنے کو دوہراتے رہتے ہیں۔

جنّات اور حقّہ نوشی

شیخ تاج محمد ولد شیخ غلام سرور کشمیر روڈ مانسہرہ ضلع ہزارہ کا بیان ملاحظہ ہو:

مانسہرہ شہر میں آپکے کافی پروانے ہیں، ان میں سے چند میرے ہم مجلس بھی ہیں۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپکے مضامین ضرور پڑھا کروں۔ شروع شروع میں تو آپ کے مضامین پڑھ کر مجھے شبہ ہوا کہ آپ (خدانخواستہ) پاگل واقع ہوئے ہیں۔ پھر میں نے آپ کی چند ہدایتوں پر عمل کرنا چاہا تو ہمت جواب دینے لگی۔ آخر میں نے آپکے ارشادات کا بالغور مطالعہ شروع کیا اور آپ کی ہدایت پر سوتے وقت یہ فقرہ دہرانا شروع کیا کہ:

میری ذہنی حالت روز بروز بہتر سے بہتر ہوتی چلی جارہی ہے۔

میں نے یہ فقرہ دہرانا شروع کیا تو خدا کے فضل سے بہت سی آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ پھر بھی میں براہ راست آپ سے خط وکتابت کی ہمت نہ کرسکا اور اُن مہربانوں سے کہا کہ وہی اگر آپ رئیس صاحب کو جانتے ہیں تو میرے لئے ان سے کوئی حکم حاصل کرلیجئے۔ انہوں نے کہا کہ تم باوضو ہو کر بسم اللہ کے بعد الرافع کا ورد کیا کرو۔ اس اسم کے پڑھنے سے مجھے اتنے فائدے ہوئے کہ بیان ان کا ممکن نہیں۔ دو تین روز ہوئے کہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے ایبٹ آباد گیا۔ میرا معمول یہ ہے کہ تنہائی میں کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا ہوں۔ اس کمرے میں چودہ پندرہ آدمی موجود تھے ہم سب خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے کہ کسی نے آکر اطلاع دی کہ:

ملازم مشکور پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے اور وہ چارپائی کے نیچے پڑا ہے۔ سب اسے دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ مشکور کے ہوش وحواس بالکل غائب ہیں۔ نبض تیز ہے (۱۲ درجے سے زائد) انگوٹھے ہتھیلی پر زہرہ کے ابھار پر گڑے ہوئے ہیں اور اس شدت سے کہ چار آدمی بھی انہیں زور لگا کر نہیں کھول سکتے۔ میں باوضو بھی تھا اور وظیفے کا عامل بھی۔ فوراً آپ کا

ارشاد یاد آیا کہ :

انسان میں سب طرح کی قدرت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے :

ایک صاحب نے رائے دی کہ ڈاکٹر کو بلایا جائے ۔

میں نے کہا کہ یہ وہ مرض نہیں جس کا علاج ڈاکٹر کر سکیں ۔ میں نے پانی منگا کر دم کیا اور اسے بے ہوش مشکور پر چھڑکا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا

سلام علیکم ۔ مشکور نے جواب دیا وعلیکم السلام ۔ پوچھا تم کون ہو؟ کہا پردہ دار ہوں ۔ مجھ پر چادر ڈال دو ، پھر پانی پلاؤ ، پھر حلیم ۔ حکم کی تعمیل کی گئی تو وہ صاحب (یا صاحبہ) جو مشکور پہ قابض تھے یا تھیں وعلیکم السلام کہہ کر چلے گئے یا چلی گئیں ۔ آہستہ آہستہ مشکور کی آنکھیں کھلنے لگیں ۔ اس نے ہوش میں آنے کے بعد پہلا سوال یہ کیا کہ :

میں کہاں ہوں اور میرے انگوٹھوں میں اتنا شدید درد کیوں ہو رہا ہے؟

اپنے خط مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۷۲ء کے آخر میں انہوں نے سوال کیا ہے کہ :

کیا جن بھی حقہ پیتے ہیں؟

تسخیر جنّات

حافظ البشیر احمد (ٹنڈو آدم ضلع سانگھڑ) کو جنّات کی تسخیر کا بہت شوق ہے لکھتے ہیں کہ میں نے جنّات کی تسخیر کے لئے بہت سے عمل پڑھے ۔ عمل خوانی کے زمانے میں جنّات سے ملاقات بھی ہوئی ، مگر دوستی نہ ہو سکی ۔ حفیظ البشیر احمد صاحب نابینا ہیں ۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جنّات سے ملاقات بھی ہوئی ۔ یہاں ملاقات کے معنی گفتگو ہو سکتے ہیں یعنی جنّات سے انہوں نے بات چیت کی ۔ مگر میرا خیال ہے کہ یاروں نے انہیں فریب دیا ہے ۔ نابینا ہونے کے سبب وہ کسی کو دیکھ تو سکتے نہیں ۔ یقیناً ان کے دوستوں نے جن کے لہجے میں گفتگو کی ہوگی وہ اپنی سادہ دلی کے سبب یہ سمجھے کہ خود یہ آتشیں مخلوق ہم کلام ہے ۔ بہت سے حضرات

تسخیر جن کے چکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کہیں لکھا ہے کہ انہوں نے کسی بزرگ سے تسخیر جنات کے عملیات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسے عمل موجود ہیں اور یہ (جنات تسخیر) بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ کی آزاد مخلوق کو قید کرنے سے کیا فائدہ؟ مولانا صاحب نے لکھا ہے کہ یہی ایک فقرہ کام کر گیا اور پھر کبھی ہمیں تسخیر جن کا خیال تک نہ آیا۔ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے بھی کسی مسجد میں تسخیر جنات کا چلّہ پڑھا تھا۔ چلّہ پڑھ رہے تھے کہ یکایک مسجد کی صف بوریا خود بخود لپٹتی ہوئی چلی آئی اور خواجہ صاحب کو لپٹتی چلی گئی میرا بچپن کا زمانہ تھا کہ ہمارے چھوٹے نانا سیّد جرّار حسن مرحوم نے کسی ذاتی مسئلے کو سلجھانے کے لئے تسخیر جنات کا ارادہ کیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ اس زمانے میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کے بجائے احرام باندھتے اور چپّل پہنتے تھے۔ غذا صرف مونگ کی دال اور روٹی کے چھلکے ہوتے۔ چھوٹے نانا مرحوم اپنی آبائی مسجد میں جو امروہے کے تھانے کے بالکل سامنے تھی۔ رات کے وقت شمع روشن کر کے سورۂ جن کا چلّہ خاص ترکیب سے کھینچا کرتے تھے۔ انہوں نے گوشۂ مسجد میں چراغ کی لو کے سامنے بیٹھ کر اور حصار کھینچ کر چالیس روز تک سورۂ جن کا وظیفہ پڑھا۔ ان چالیس روز میں بڑے بڑے تماشے، شعبدے اور کرشمے دیکھنے میں آئے۔ کبھی شمع کی لو بھڑک کر مسجد کی چھت تک بلند ہو گئی، کبھی شمع کی لو میں ایک دیو مہیب رقصاں نظر آیا۔ کبھی شعلۂ شمع جہنم اگلنے لگا۔ پھر یکایک وہاں ایک عظیم الشان میدان کارزار گرم ہو گیا۔ کبھی محسوس ہوا کہ مسجد ایک عظیم الشان زلزلے سے لرز رہی ہے۔ کبھی ہولناک چیخیں! کبھی مہیب قہقہے۔ کبھی شعلۂ شمع میں بڑے دلفریب نظارے نظر آتے اور کبھی وہ انتہائی ہولناک روپ دھار لیتے غرض ان چالیس روز میں ایک قیامت گزر گئی۔ شاباش ہے ان مرحوم کے عزم اور حوصلے کو کہ سب کچھ دیکھتے اور سب کچھ سنتے رہے۔ آخر چالیسویں روز خدا خدا کر کے چلّہ ختم ہوا۔ دیوار شق ہوئی اور ایک سبز پوش بزرگ دیوار مسجد سے برآمد ہوئے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کو پھانسنے کے لئے چالیس روز تک یہ سختی کھینچی گئی تھی۔ ان بزرگوار سے کچھ عہد و پیمان ہوئے اور میں نے

سنا ہے کہ ان بزرگ نے تا عمر مرحوم کا ساتھ نبھایا۔ والد بزرگوار علّامہ سید شفیق حسن مرحوم کو نادیدہ مخلوق یعنی جنّات کے بارے میں کافی معلومات حاصل تھیں۔ بابا نے ایک خاص رسم الخط ایجاد کیا تھا اور وہ اس جن سے اسی رسم الخط میں (جسے دوسرا ہرگز نہ سمجھتا تھا) مراسلت کیا کرتے تھے۔ بارہا بابا مرحوم سے ان جنّ کے بارے میں گفتگو رہی۔ اس جن سے ہمارا خاندانی تعلق قائم ہوگیا تھا۔ میری والدہ سیدہ نرجس خاتون، میری خالہ سیدہ راضیہ خاتون اور میری چھوٹی خالہ سیدہ مطاہرہ خاتون، ان حضرت کی عنایات سے اکثر مشرف ہوئی ہیں، والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جنّات کی تخلیق آدم سے قبل ہوئی ہے۔ قرآن مجید سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ تخلیق آدم کے بعد بارگاہِ حق تعالیٰ سے فرشتوں کو حکم ملا کہ اس خاک کے پتلے کو سجدہ کرو۔ شیطان نے کہ اپنی کثرتِ عبادت کے سبب زمرۂ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا۔ حالانکہ جن تھا، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور عذر یہ پیش کیا کہ میں آگ سے بنا ہوں یہ مٹی سے! آگ۔ مٹی کو کس طرح سجدہ کرسکتی ہے۔ جنّات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔ بابا مرحوم نے جنات کی سرشت اور سرگزشت کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا میں نے ان تمام معلومات اور معاملات کو نظم کردیا ہے۔ یہ نظم آپ بھی سن لیجئے۔

رات آئے تھے میری خلوت میں
آدمی زاد قبل آدم کے

جیسے خواب و خیال کے سائے
یا ہیولے قیاسِ مبہم کے

کچھ عجیب و غریب مجموعے
آتش و خاک و صرصر و نم کے

کچھ مہیب و مُہال سے مظہر
ابتدائے ظہورِ عالم کے

چند آوارہ گرد سے نقشے
ایک تخلیقِ نامنظم کے

سخت حسّاس سخت نامحسوس
شعبدے جسمِ نامجسّم کے

ظلمتوں کے لباس میں ملبوس
شعلے ترشے ہوئے جہنم کے

کانپتی تھیں مرے تصور میں
کچھ لکیریں دھوئیں کی تھم تھم کے

جھلملاتے تھے اس طرح چہرے
انکی افسوں گری مبہم کے
جسطرح سلسلہ شہابوں کا
ابرِ تیرہ کی اوٹ میں چمکے
کہکشانوں کے پیچ و خم پہ محیط
سلسلے انکی زلفِ برہم کے
ہاں وہ موہوم اولیں خاکے
مشت خاکستر دو عالم کے
یوں مری خلوتوں میں در آئے
جسطرح پیک مرگ آدھمکے
چھڑ گئے اجنبی ہیولوں سے
تذکرے ابتدائے عالم کے
میں نے جب اُن سے یہ سوال کیا
تم ہو محرم ہر ایک محرم کے
قبل تخلیق بوالبشر کیا تھے
رنگ اس کارگاہِ عالم کے

ایک سائے نے یہ جواب دیا
صرف آدم تھا قبل آدم کے

میں نے اس مضمون میں قبل آدم کی مخلوق (جنّات) کی تصویر کشی کے لئے خواب و خیال کے سائے، قیاس مبہم کے ہیولے۔ عناصر اربعہ کے عجیب و غریب مجموعے، مہیب و نخال منظر، آوارہ گرد نقشے، نامجسّم شعید ے، جہنم کے ترشے ہوئے شعلے دھوئیں کی لکیریں شہابوں کے سلسلے، اور موہوم اولیں خاکے، جیسے استعارے استعمال کئے ہیں یہ فقط استعارے اور تشبیہیں ہی نہیں، حقیقتیں بھی ہیں۔ جن کی تصویر کشی صرف ان ہی اصطلاحوں کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ میرے برادر بزرگ (شاعر اہلبیت) مولانا سید قائم رضا نسیم امروہوی اپنا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں وہ اور ان کے بھائی سید سکندر رضا پڑوس کے کسی مکان میں جو کھنڈر بن چکا تھا بیری کے بیر توڑنے جایا کرتے تھے اسے بچپن کا ایک مشغلہ یا کھیل سمجھ لیجئے۔ دو تین روز تک تو یہ دونوں بھائی وہاں ادھم مچاتے رہے کسی نے مداخلت نہ کی۔ ایک روز جب لُو چلتی ہوئی دوپہر میں چاروں طرف ویرانی اور سنّاٹا چھایا ہوا تھا اور یہ دونوں بھائی ہیبت ناک کھنڈر میں بیر چُن رہے تھے۔ یکایک ایک طویل القامت بزرگ نے

جانے کدھر سے نمودار ہو گئے" اور انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔

"بھاگ جاؤ، کبھی ادھر پیر جھانکنے مت آنا"

مولانا قائم رضا نسیم کا بیان ہے کہ ان بزرگ کو دیکھ کر ہم پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اپنے مقام پر جم کر رہ گئے۔ وہ بزرگ جس طرح یکایک نمودار ہوئے تھے اسی طرح اچانک غائب ہو گئے۔ تب ہم بمشکل بھاگ کر گھر آئے۔ خیر دو چار دن تک تو ان بھائیوں نے اس مکان کا رُخ نہ کیا اور جب ہیبت کم ہو گئی تو دو چار اور لڑکوں کو جمع کر کے پھر اس کھنڈر میں جا پہنچے اور بیریوں پر دھاوا بول دیا۔ چند منٹ کے بعد ایک خوفناک آواز گونجی۔ دیکھا کہ وہی بلائے بد یعنی دیو قامت بزرگ سامنے کھڑے ہیں نسیم صاحب کا بیان ہے کہ انکی آنکھیں انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ ہمیں یہ محسوس ہوا کہ ان لال دہکتی ہوئی آنکھوں سے آتشیں کرنیں نکل رہی ہیں یعنی ایک بجلی کی لہر سی دوڑتی ہوئی ہماری طرف آتی ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس ہوشربا نظارے سے ان پر کیا حالت گزر گئی ہو گی۔

ان دیکھی مخلوق

سعیدہ بنت اسماعیل کراچی اپنے خط مورخہ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء میں لکھتی ہیں کہ۔

میں نے اپنی زندگی کے سات سال مشرقی پاکستان میں گزارے ہیں۔ کراچی آئے ہوئے صرف تین سال ہوئے۔ حال ہی میں فرسٹ ایئر کا امتحان دیا ہے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتی ہوں۔ آپ طرف سے جو کچھ لکھوں گی بالکل سچ لکھوں گی، جواب سے محروم نہ کیجئے گا۔

مشرقی پاکستان کے زمانہ قیام سے ہی میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آتا رہتا ہے یہ کہ جب میں بستر پر بیٹھتی، لیٹتی یا سوئی ہوئی ہوتی تو اچانک ایسا محسوس ہوتا جیسے بستر کے نیچے یا اوپر کوئی سو رہا ہے۔ میں ڈر کر یا تڑپ کر چارپائی سے چھلانگ لگاتی تو کوئی نظر نہ آتا۔ کراچی آکر ایک اور مصیبت شروع ہوئی۔ کبھی کبھی رات کے ۱۲ بجے خود بخود میرا

دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ جسم کارواں رواں کھڑا ہوجاتا رگ رگ میں سردلہریں سی دوڑنے لگتیں۔ کمرے میں ویرانی سی چھاجاتی اور یہ احساس ہوتا کہ اس کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ یہ صورتحال کچھ دیر قائم رہتی پھر ختم ہوجاتی (جیسے وہ نادیدہ چیز کمرے سے باہر چلی گئی) ایکبار ایسا ہوا کہ میں قرآن مجید میں کوئی سورۃ تلاش کررہی تھی۔ ابھی قرآن بند کیا تھا کہ مجھ پر یکسر خوف و دہشت کی وہی حالت طاری ہوگئی۔ میں نے جلد از جلد قرآن مجید کو بند کرکے الماری میں رکھا اور بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں سکون نہ ملا۔ مجبوراً کھولدیں مغرب کی طرف منہ کیا تو ایسا لگا کہ وہی ان دیکھی مخلوق میرے سر کے برابر کھڑی ہے۔ اس کا قد ساٹ آٹھ فٹ کی برابر ہے۔ رنگ کالا ہے، سر سے پاؤں تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ میرے اندر گھس جائے۔ جنگ دسمبر ۷۱ء کے زمانے میں یہ کالی شے ہر وقت میرے ساتھ رہتی تھی، البتہ جب غسل خانے میں جاتی تو نجات مل جاتی تھی۔ جب غسل خانے سے باہر نکلتی تو پھر ساتھ لگ لیتی۔ سعیدہ بنت اسماعیل نے جس سیاہ فام سائے کا ذکر کیا ہے۔ کیا یہ کشورِ ظلمات کا کوئی باسی ہے؟ طلسم ہوشربا میں کشورِ ظلمات کا ذکر کیا گیا ہے یہ تاریک دنیا اندھیروں میں لپٹی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس دنیائے تیرہ و تار (کشورِ ظلمات) میں جنّات کی ایک قوم آباد ہے۔

مجھ سے مجھ کو نہ چھین کرلے جائے
شاہزادیٔ کشورِ ظلمات

پری اور دیو

سعیدہ کو جو تجربہ ہوا وہ منفرد نہیں۔ نہ جانے کتنے لوگ ان عجائبات سے دوچار ہوچکے ہیں۔ میر ظہور احمد بروہی لکھتے ہیں کہ:

آپ نے مجھ سے تفصیل دریافت کی ہے تو عرض یہ ہے کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو

ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ گاؤں کے نزدیک ایک پہاڑی پر کسی نظر نہ آنے والی چیز کو ڈھول بجاتے سنا، اس کے متعلق ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ وہاں پریوں کا قلعہ ہے اور یہ پریاں شادی بیاہ کے وقت ڈھول بجاتی ہیں پریوں کے سلسلے ہیں دیومالائی کہانیوں کا ایک ضخیم مجموعہ ہر قوم کی ادبیات اور علم الاصنام میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے دیومالائی ادب میں پریوں کو دیوزادوں اور دیووں کی صنفِ نازک قرار دیا گیا ہے اور دیو جنات ہی کی ایک قسم ہے۔ دیو اور پری کی روایات کوہِ قاف کے التزام کے ساتھ ایرانیوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ خود اردو نثر و نظم میں پریوں اور دیووں کی کہانیوں کے دفتر کے دفتر موجود ہیں۔ اردو شعر میں پری حسن و جمال کا نازک ترین استعارہ ہے اور اس استعارے کی شاخ سے پری رُو، پری پیکر، پری وش، پری زاد، پری چہرہ اور پری تمثال کی شاعرانہ کونپلیں پھوٹی ہیں۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

پری کے مقابل دیو ہیبت اور بن و توش کی علامت ہے۔ پریوں کے پر ہوتے ہیں اور دیوزادوں کے سینگ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تخیل کی بلند پروازیاں ہیں۔ سعید الحسن لکھتے ہیں کہ:

ایک روز گرمی کی دوپہر میں میری جو آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر سناٹے میں آ گیا کہ سنگھار میز پر چند ننھی منی پریاں ناچ رہی ہیں۔ بعض سبز ہیں، بعض سرخ، بعض سنہری (سبز پری اندر سبھا ناٹک کا مشہور کردار ہے) راجہ اندر کے ناٹک میں جب سبز پری اسٹیج پر نمودار ہوتی ہے تو ہزار عشوہ و ادا اپنا تعارف اس طرح کراتی ہے۔

شوخی سے نزاکت سے شرارت سے بھری ہوں
شمشاد مرا نام ہے میں سبز پری ہوں

بکاؤلی بھی تو دنیائے افسانہ کی مشہور پری تھی جس کے طلسمی پھول کو چرا لیا گیا تھا۔

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مسنر شاہدہ حسین لکھتی ہیں کہ:

ہمارے گھر میں صحن میں ایک کامنی کا درخت تھا جو موسم گل میں پھولوں سے ڈھکا رہتا تھا، اس کے پھولوں کی مہک سے ہم تو ہم آس پڑوس کے لوگوں تک کے دماغ معطر ہو جاتے تھے۔ بڑی بوڑھیوں کا کہنا تھا کہ اس کامنی پر پریاں رہتی ہیں۔ اسی لئے کامنی کے پیڑ کو کوئی چھونا چھیڑنا نہ تھا۔ میں پریوں کی اس کہانی کا ہمیشہ مذاق اڑایا کرتی تھی۔ ایک روز طلوعِ آفتاب کے وقت میری آنکھ کھل گئی اور صحن میں ٹہلنے کو نکل آئی۔ ہوائے سرد چل رہی تھی اور عجیب روح افزا سماں تھا۔ رئیس صاحب ابجد آپ یقین کریں کہ میں نے دیکھا کہ کامنی کے گل افشاں درخت کی ٹہنی پر عجیب وغریب مخلوق متحرک رہی ہے، رقص کر رہی ہے اور اچھل رہی ہے۔ اس حیرت انگیز مخلوق کے چہرے عورت نما تھے۔ ننھے منّے جسموں پر رنگ برنگ کے پرچیاں نظر آتے تھے۔ ان کی آنکھیں ہیرے کی کنی کی طرح چمک رہی تھیں اور ریشم جیسے نرم ونازک بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ مشکل سے یہ سماں دس پندرہ سکنڈ قائم رہا ہوگا۔ میں اس ہوشربا نظارے سے چونکی تو نہ پریاں تھیں نہ پری زادوں کا رقص! مجھے پرستان کی اس آسمانی مخلوق کا وجد و عالم سرشاری اب تک یاد ہے۔ رئیس صاحب! آخر یہ کیا کرشمہ تھا۔ میں نے مسنر شاہدہ حسین کو جواب دیا کہ عزیزہ! یہ سب کچھ فریبِ نظر تھا۔ تم نے بچپن سے یہ کہانی سنی تھی کہ کامنی کے اس پیڑ پر پریاں رہتی ہیں۔ یہ تصوّر آپ کے لاشعور میں راسخ ہو چکا تھا، اس روز جو آپ خواب سے بیدار ہو کر صحن میں آئیں اور کامنی کے پیڑ پر نظر پڑی تو بچپن کا وہ تصوّر غالب آ گیا اور اس نے وہ نظارہ آپ کو دکھا دیا جو افسانوں اور کہانیوں میں دیکھا تھا۔

میر ظہور احمد بروہی اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

ایک روز میرا پالتو کتا زور سے بھونکنے اور رونے لگا، اٹھ کر باہر گیا تو دیکھا کہ تین سال کے بچے کی برابر ایک ننگا جسم جا رہا ہے۔ منٹ بھر بعد وہ ننگا جسم سخت چیخ کے ساتھ نہایت لمبی شکل میں تبدیل ہو کر غائب ہو گیا۔ ایک بار اندھیری رات میں دوست

کے گھر سے گاؤں جا رہا تھا۔ برفباری ہو رہی تھی کہ یکایک برف آلود راستے پر کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک طویل القامت مکروہ تن و توش۔ سفید کپڑوں میں ملبوس دیو تعاقب کر رہا ہے۔ میں نے بھاگنا چاہا تو اس دیو نے سامنے آکر راستہ روک لیا۔ راستہ چھوڑ کر بھاگا تو چاروں طرف مہیب شور و غل برپا ہو گیا۔

عنصری مخلوق

جنات ہوں، دیوزاد ہوں، پریاں ہوں، شیاطین ہوں، عفریت ہوں، آسیب ہوں، ان کے ظہور اور عمل کے واقعات اگر مکمل تاریخ نہیں تو انسان کی تاریخ تصوّر اور روایات کا ایک حصّہ ضرور ہیں۔ کرۂ ارض پر جہاں دیدہ مخلوق پائی جاتی ہے وہاں نادیدہ مخلوقات کو بھی فرض کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اکثر تجربے اور مشاہدے، وہم سہی فریب حواس سہی۔ خبطِ دماغ کا نتیجہ سہی۔ تاہم سینکڑوں واقعات کامل صحت مند آدمیوں کو۔ کامل ہوش و حواس کے عالم میں بھی پیش آئے ہیں اور انہوں نے ان تجربات کو ریکارڈ اور قلم بند بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سائنس نہ ان مظاہر کی تردید کر سکتی ہے نہ تائید۔ یہ سائنس کا دائرۂ عمل ہی نہیں ہے۔ لیبارٹری کے آلات اور کیمیاوی جانچ پڑتال سے نادیدہ مخلوق کے وجود کو ثابت کر دینا ممکن نہیں۔ لیکن اگر خردبین یا دوربین سے آپ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ سرے سے وہ چیز موجود ہی نہ ہو۔ کیا سائنسی تجربہ گاہوں میں کوئی آلہ ایسا موجود ہے جس کی مدد سے آپ سب اٹامک پارٹیکلز یعنی الیکٹران، پروٹون اور نیوٹران کو دیکھ سکیں۔ حقیقتِ واقعہ صرف اتنی ہے کہ ہم اٹامک انرجی یا جوہری قوت کے عمل کو دیکھ کر، جانچ کر، پرکھ کر، اور استعمال کر کے ہی ایٹمی برقپاروں کے تعامل اور وجود پر یقین رکھتے ہیں، یا وبائی امراض کے جراثیم آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ لیکن ہم ان کی کارکردگی کو بچشم خود دیکھ سکتے اور اپنے جسم میں محسوس کر سکتے ہیں۔ پھر ان حیرتناک شعبدوں کو دیکھ کر کیوں نہ کسی نادیدہ

ات
ت کی کارفرمائیوں کو تسلیم کرلیا جائے۔ بہت سے حضرات اپنے جن گرفتہ اور آسیب زدہ
زیزوں کے علاج کے سلسلے میں مشورہ طلب کرتے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ آسیب زدگی
ر جنّاتی دورے کے اکثر واقعات محض مالیخولیا اور تقسیم شخصیت کے نتیجے میں رونما
وتے ہیں۔ ان کی بنیاد خالص، دماغی، اعصابی، ذہنی اور جذباتی ہوتی ہے، اب ایسے
واقعات جن کی توجیہہ کچھ اور بھی ہوسکتی ہے تو خیال یہ ہے کہ فضا میں یقیناً ایک کم شعور
انائی کارفرما ہے۔ یہ ایک دھندلی سی شخصیت ہوتی ہے۔ اس نیم تاریک شخصیت کی
حرکات خودکار ہوتی ہیں یعنی غیر ارادی (جیسے مشینی حرکات) یہ بے شعور توانائی، انسانی شعور
اس کے ارادے سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ یہ خلاء میں تیرنے والی قوت کروروں کائیوں
میں تقسیم ہے اور ہر اکائی محدود۔ ادھورے اور ناقص وجود کی مالک ہے۔ ان اکائیوں کو
صری مخلوق یا قوائے عنصری ELEMENTALS کہا جاتا ہے۔ عنصری ایسی مخلوق
۔ جس کی جسمانی ترکیب اور دماغی ساخت انسان سے مختلف کم درجے کی ہے عنصری
م نظر بھی آسکتے ہیں، نہیں بھی آسکتے۔ صرف چند لمحے کے لئے اپنی پسندیدہ شکل میں
اہر ہوتے اور نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔ ان میں ہر شکل اور ہیئت FORM
اختیار کرنے کی غیر معمولی صلاحیت واستعداد پائی جاتی ہے۔ یہ سب سے زیادہ انسان کی
قت ور دماغی لہروں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ آدمی کے ذہن و دماغ سے جس طول
ج (ویولنگتھ) کی لہریں نکلتی ہیں وہ ان کے حق میں زہریلی گیس کا حکم رکھتی ہیں۔
انی ذہن کی لہر (قوتِ ارادہ) جس قدر قوی ہوگی، طاقت ور ہوگی۔ یہ اس سے اتنے
خوف زدہ ہوں گے۔ ہم صرف اپنی قوتِ ارادی اور خود اعتمادی سے انہیں اپنا محکوم
سکتے ہیں، جس طرح اور عنصری قوتوں (بھاپ، بجلی، ایٹمی توانائی اور مقناطیسیت) کو
ے اشاروں پر چلاتے اور ان سے مفید یا مضر کام لے سکتے ہیں۔ اسی طرح ان عنصر زاد مخلوقات
بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں سویڈن کے ایک سائنس داں (جو غالباً طبّی

پیشے سے تعلق [illegible]نا ہے) نے اعلان کیا کہ میں متواتر تجربات سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ روح کا وزن اکیس گرام ہوتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ صاحب کس قسم کے تجربات سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں، جہاں تک روح کے وزن کا تعلق ہے تو یہ خیال ہی مضحکہ خیز ہے البتہ عنصری مخلوقات کا وزن اکیس گرام ہو سکتا ہے۔ ہاں۔ اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کسی شخص کو جنات۔ آوارہ گرد روحوں اور بھوت پریتوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اگر ہیں تو یہ سب طلسماتی ہیولے ہیں۔ صرف ایک قوی الارادہ شخص کی ڈانٹ بڑے بڑے بھوت کو بھگا دینے اور جن کو ڈرا دینے کے لئے کافی ہے۔ مجھے بھی ELEMENMAL کے بعض تجربات ہوئے ہیں، مگر ان کی نوعیت بالکل ذاتی ہے۔ لہذا ان پر گفتگو مناسب نہ ہوگی صرف اتنا عرض کردوں کہ آسیب زدگی اور جناتی اثرات کے علاج کے وقت اُردو کا ایک محاورہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ "مار سے بھوت بھی بھاگتا ہے۔" میں نے ایک عامل کو دیکھا کہ وہ جن گرفتہ مریضوں کا علاج صرف ایک تھپڑ سے کیا کرتا تھا۔ جب کسی شخص کے سر پر جن آتے، ان صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے تحکمانہ لہجے میں اصلی یا خیالی جن کو حکم دیا کہ فوراً مریض کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ آسیب یا جن نے تعمیل حکم کر دی تو ٹھیک! نہیں تو عامل کا تھپڑ گال پر پڑا۔ تھپڑ رسید کرتے ہی جن مفرور ہوا۔ اس علاج بالجبر کا اصول وہی ہے جو شاک تھراپی کا۔ شاک تھراپی میں مریضوں کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں اور وہ ہوش مند ہو جاتا ہے۔ انسانی عظمت کے سامنے بڑے سے بڑے جن، بھوت، دیو، چھلاوے، عفریت، چڑیل، خبیث اور آسیب کی حیثیت کتے بلی سے زیادہ نہیں۔ یہ مکمل باشعور ہستیاں نہیں ہوتیں بلکہ شخصیت کی بکھری ہوئی اکائیاں ہوتی ہیں۔ ان تمام نادیدہ ہستیوں کا گرو گھنٹال ابلیس ہی تو ہے تو خود ابلیس کی بزدلی ملاحظہ کیجئے کہ ادھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھی۔ ادھر وہ ڈر کر بھاگا۔ میں نہ آسیب اتارنے کے فن سے واقف ہوں نہ تسخیر جنات کا مدعی نہ سفلی علوی عملیات کا شوقین، البتہ ایک نفسیاتی حقیقت

کی طرف اشارہ کردوں، جن گرفتہ یا آسیب زدہ کی شخصیت بھی (شیزوفرینیا کے مریضوں کی طرح) دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے یعنی عقلِ سلیم (شعور) معطل ہو جاتی ہے اور لاشعور بروئے کار آجاتا ہے۔ لاشعور تمام جذبوں اور جبلتوں کا خزانہ ہے اور وہ تمام موروثی عقیدے تمام یادیں اور خیالات کے تمام بنیادی سلسلے نفس کے اسی تہ خانے میں محفوظ رہتے ہیں۔ جنی یا آسیبی اثرات کے عالم میں مریض کے لاشعور کو براہ راست متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے تمام دورے عام طور پر کمزور اعصاب رکھنے والوں پر پڑتے ہیں۔ ایسے لوگ بے انتہا حساس اور شدید طور سے اثر پذیر ہوتے ہیں، ان میں مضبوط قوتِ ارادہ کا فقدان ہوتا ہے۔ میں عمل خوانی کا عادی نہیں۔ بایں ہمہ جناتی مریضوں کے علاج کا ایک طریقہ عرض کرتا ہوں۔ جب کسی پر ہسٹریا کی سی کیفیت طاری ہو یعنی اس کا شعور معطل ہو جائے وہ اول فول بکنے لگے یہ دعویٰ کرے کہ میرے سر پر فلاں شیخ سدو اور فلاں شیخ کبیر آئے ہوئے ہیں اور منہ سے بولنے اور سر سے کھیلنے لگے تو فوراً کسی مضبوط اور قوی ارادہ رکھنے والے شخص کا فرض ہے کہ وہ مریض کے سامنے جم کر بیٹھے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دے اور لاحول پڑھ کر حاکمانہ تحکمانہ اور فاتحانہ لہجے میں جن کو حکم دے کہ بھاگ جاؤ ورنہ گردن مروڑ دی جائے گی۔ سینٹ نناوے فی صدی یہ علاج کامیاب ہوتے دیکھا گیا ہے۔

زرد رنگ کے بزرگ

ہومیوپیتھ معالج ڈاکٹر اعوان (میرپور خاص) تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک خوبصورت لڑکا بشیر ولد گلاب قوم قصاب غریب آباد میرپور خاص چار سال سے عجیب وغریب بلا میں مبتلا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بدن کے مختلف اعضا (بازو، ٹانگ، سینہ، گردن وغیرہ پر) ایسے زخم نمودار ہو جاتے ہیں، جیسے کسی نے تیز دھار آلے سے کچوکے لگائے ہیں۔ جسم سے خون کی دھاریں بہنے لگتی ہیں۔ بچے کی عمر تقریباً

سولہ سال کی ہے۔ کوئی حملہ آور چیز نظر نہیں آتی صرف زخم نظر آتے ہیں بچے کا کہنا ہے کہ مجھے ناخنوں سے کوئی چیز کاٹتی ہے بعض اوقات ایک سایہ بھی نظر آتا ہے۔ ہر قسم کے جسمانی اور روحانی علاج کرائے مطلق افاقہ نہیں ہوا۔ براہ کرم اس مرض پر روشنی ڈالیئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے لوگ ویسے بھی ضعیف العقیدہ واقع ہوتے ہیں پیر پرستی، فقیر پرستی، درویش صورت لوگوں پر آن کی آن میں ایمان لے آنا، تعویذ گنڈوں کی تجارت، عملیات اور وظیفوں کی کثرت! مختصر یہ کہ کیا کیا نہیں ہوتا سبھی کچھ تو ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے سبھی کچھ کر کے دیکھ لیا۔ بچے کے سر سے بلا دور نہ ہوئی۔ رضا بیگ لکھتے ہیں کہ:

چند ماہ سے ہم لوگ عجب آفت میں مبتلا ہیں صحن میں مولسری کا چھوٹا سا پودا اُگا ہوا تھا۔ میری لڑکی صابرہ نے اسے کاٹ ڈالا۔ فوری سے اس پر دورے پڑنے لگے۔ دورے کی نوعیت یہ ہے کہ یکایک وہ پھول کر کپّا ہو جاتی ہے (جیسے جسم پر سوجن آجائے) آنکھیں سرخ ہو کر لال انگارہ بن جاتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ اس عالم میں کس کی مجال کہ صابرہ کے پاس جاسکے۔ خیر یہاں تک تو تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ شاید وہ کسی اعصابی یا دماغی مرض میں مبتلا ہو گی۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس عالم میں وہ ایسی فصیح و بلیغ زبان بولتی ہے کہ ہم اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ صابرہ اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے بتلا دیتی ہے کہ فلاں عزیز فلاں مقام پر اس حال میں ہے۔ بعد کو سب باتوں کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جاتی ہے۔ دورے کے عالم میں وہ نسخے بھی بتاتی ہے۔ تعویذ بھی لکھواتی ہے۔ کبھی کبھی مستقبل کے بارے میں صحیح صحیح پیشین گوئیاں بھی کرتی ہے۔ صابرہ کا بیان ہے کہ اسے زرد کپڑے پہنے ہوئے ایک بزرگ نظر آتے ہیں، پھر خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوا؟

قرآن خواں جن

سید مظاہر حسین (لاہور) کا بیان ہے کہ ان کے گھر پر عجب آفت نازل ہے۔

گھر کے برتن خود بخود ہوا میں معلق ہو جاتے ہیں اور پھر گر کر ٹوٹ
جاتے ہیں۔ کبھی کبھی چھت سے سیاہ پتھر (کوئلے جیسے انجن میں جلتے ہیں) برسنے لگتے ہیں۔
کھانے سے فضلے کی بو آنے لگتی ہے۔ رات میں چھت پر ایسا او دھم مچتا ہے کہ خدا کی پناہ۔
جیسے ہاتھی دوڑ رہے ہوں۔ دو تین سیاہ بلیاں لڑتی ہوئی آتی ہیں اور چشم زدن میں آنکھ
سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ گھر کے درخت اس طرح ہلتے ہیں جیسے تیز آندھی چل رہی ہو۔
حالانکہ ہوا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ کپڑوں کی الماری میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے
غرض ایک بات ہو تو لکھوں۔ ایسے عذاب میں مبتلا ہوں کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔
چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ روزنامہ مشرق (لاہور کراچی) کے ایک کارکن کسی مشترکہ دوست
کے ساتھ تشریف لائے۔ بے چارے نہایت پریشان تھے۔ ان کا بھائی بقول انکے جنات
کے زیر اثر ہے۔ جب اس پر جن سواری گانٹھتے ہیں تو وہ ہوا میں معلق ہو جاتا ہے۔ آٹھ آٹھ
آدمی زور کرتے ہیں، ان کے قابو میں نہیں آتا۔ حیدر آباد کے قریب ایک چھوٹے سے
ریلوے سٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر نے تفصیل کے ساتھ اپنی بیوی کے واقعات لکھے ہیں۔ یہ
دورے کے عالم میں یعنی جب ان پر جن آتا ہے۔ قرآن مجید کے سورے کے سورے پڑھتی
ہیں (حالانکہ حافظ قرآن نہیں) نعتیں سناتی ہیں ادق زبان میں تقریریں کرتی ہیں، ان
پر کوئی ایک اثر نہیں مختلف اثرات ہیں ہر اثر یعنی ہر جن اپنا مختلف نام بتلاتا ہے ان
بی بی کے معاملے کی نفسیاتی تشریح اس طرح ممکن ہے کہ انسان کے خزانۂ حافظہ (لاشعور)
میں وہ سب کچھ محفوظ رہتا ہے جو اب تک اس نے سنا، پڑھا، کہا یا محسوس کیا ہے جب
کسی وجہ سے شعور معطل ہو جاتا ہے تو حافظے سے یادداشتوں کی ایک رو نکلتی ہے اور الفاظ
کا جامہ پہن لیتی ہے متعدد دماغی آپریشنوں کے دوران یہ تجربہ ہوا کہ جب مریض کے کاسۂ
سر کے ان حصوں کو نوک نشتر سے چھیڑا گیا، جن کا تعلق آواز کی یادداشتوں صوتی نقوش
سے ہے تو اسے بہت سے ایسے بھولے بسرے نغمے اور فراموش کردہ آوازیں سنائی

دینے لگیں۔ جس کا تعلق ماضی سے ہے۔ تو یہی نیند کے عالم میں اگر مریض کو یہ ترغیب دی جائے کہ تم اپنی زندگی کے فلاں دور کی باتیں سن رہی ہو، تو وہ یقیناً اس عہد کی آوازیں سننے لگے گا۔ ہم اسٹیشن ماسٹر کی اہلیہ کے دورے کی یہ تشریح کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورتیں، پرانی نعتیں اور ادق تقریریں جو انہوں نے مختلف زمانوں میں اپنے بزرگوں سے سنی تھیں ان کے حافظے میں محفوظ تھیں، جب دماغی دورے میں شعور معطل ہو جاتا تھا تو وہ تمام ذخیرۂ یادداشت باہر نکل پڑتا تھا۔ شمس الدین مرحوم راقم الحروف کے دوست تھے ان کے دولت خانے کی ایک کوٹھری کسی بزرگ کے لئے مخصوص تھی۔ کوٹھری میں قفل پڑا رہتا تھا۔ ہر جمعرات کو شمس الدین بہ احتیاط قفل کھولتے۔ کوٹھری کی صفائی کرانے وہاں لوبان جلاتے اور اگربتی سلگا کر کوٹھری کے دروازے کو مقفل کر دیتے۔ پابندی سے تو نہیں البتہ کبھی کبھی جمعرات کی شب میں اس کوٹھری سے قرآن خوانی کی ایسی لطیف و شیریں آوازیں آتیں کہ روح وجد کرنے لگتی۔ کوٹھری سے خوشبوؤں کے قافلے نکلتے اور سارا محلہ مہک اٹھتا۔

ہاں۔ ابھی آپ کا پیام کرم
بوئے گل پر سوار گزرا ہے

شمس الدین کا بیان تھا کہ یہ بزرگ خواب میں بھی آتے ہیں اور مناسب ہدایات دے جاتے ہیں۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ میں نے امتحاناً ایک نامانوس اور اجنبی زبان (یعنی جمل و جفر کے اعداد) میں ایک رقعہ ان بزرگ کے نام لکھا اور شمس الدین مرحوم سے کہا کہ یہ رقعہ اس کوٹھری میں رکھدیں۔ کوئی جواب ملے تو اطلاع دیں۔ اس رقعے کا مفہوم اس قدر پُر پیچ تھا کہ جفر و جمل جاننے والا بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ رقعہ جمعرات کے روز (بغرض آزمائش) بیچ سویرے کے اندر رکھا گیا۔ تیسرے روز جواب ملا، اسی زبان میں جو ابجا دبنا رہی تھی، جواب واضح، قطعی اور اطمینان بخش تھا۔ شمس الدین سر پٹکنے تھے کہ سوال و جواب کی نوعیت بتلا دی جائے

لیکن راز بہرحال راز ہے۔ یہ طریقہ میں نے اپنے والد بزرگوار سیدنا و مرشدنا سید شفیق حسن ایلیا رحمتہ اللہ علیہ سے سیکھا تھا۔ بابا مرحوم نے ایک خاص زبان اس مقصد کے لئے تصنیف کی تھی جو نصف حروف اور نصف اعداد پر مشتمل تھی۔ بابا مرحوم بھی یہ زبان نادیدہ مخلوقات سے سوال جواب کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔

زین خان

زین خاں کا نام بھی ہمارے مرحوم امروہے کے شیخ صدرالدین عرف شیخ سدّو کے اسم گرامی کی طرح تقسیم سے قبل برکوچک پاک و ہند میں مشہور تھا (اب یہ شخصیتیں دھندلا گئی ہیں) امروہے کی لوک کہانیوں کی رُو سے شیخ صدرالدین ایک عامل تھے۔ زین خاں نامی جن ان کے تابع تھا۔ حالات نے وہ رُخ اختیار کیا کہ زین خاں جن اپنے عامل کے قبضے سے نکل گیا اور اس نے شیخ صدرالدین کو بربنائے انتقام زمین پر دے ٹپکا۔ شیخ صدرالدین (عرف شیخ سدّو) کی وفات کے بعد زین خاں نے ان کا نام اطراف عالم میں مشہور کیا، وہ جس کے سر پر چاہتا سوار ہو جاتا اور پھر اپنے معمول کو حکم دیتا کہ جاری (زائر) بن کر امروہے جاؤ اور شیخ سدّو کی مسجد میں بکرے یا مرغے کی بھینٹ نذر کرو۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ آسیب زدہ لوگوں کے قافلے کے قافلے دور دراز سے امروہہ آتے اور دامن مراد بھر کر واپس جاتے۔ یہ میلہ بدھ کے روز لگا کرتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد شیخ سدّو اور ان کے دوست زین خاں پر نہ جانے کیا گزری؟ نئی کراچی میں ایک دہلوی تاجر کی شادی شدہ لڑکی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس کے عزیزوں نے بتایا کہ اس بے چاری پر زین خاں آتے ہیں۔ جب میں نے مریضہ کو دیکھا تو وہ بقول خود زین خاں بنی ہوئی تھی۔ چار چار پانچ پانچ آدمی زور کر رہے تھے اور یہ کسی کے قابو میں نہ آتی تھی۔ میں نے کافی سوالات پوچھے۔ بعض جوابات مبہم تھے بعض صاف۔ عام حالت میں یہ لڑکی خاموش اور سنجیدہ رہتی ہے۔ لیکن ہر تیسرے مہینے کے

آخری چہار شنبے کو شام کے ۵ بجے زین خاں آتے ہیں۔ میں نے اس لڑکی کو ربیع الاوّل کے آخری چہار شنبے کو دورے کی حالت میں دیکھا۔ زین خاں نے وعدہ کیا کہ اب وہ جمادی الثانی کے آخری چہار شنبے (تین مہینے بعد) کو آکر مجھ سے گفتگو کرے گا۔ زین خاں کی حسب ذیل خصوصیتیں بتلائی گئیں (۱) بے موسم کے پھل حاضر کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کا جی چاہا کہ امر د ہے کے ثمر بہشت آم کھاؤں گا۔ رومال میں پیسے باندھ کر سرپوش کے نیچے رکھ دیجئے۔ چند منٹ بعد سرپوش اٹھائیے، پیسے غائب، ثمر بہشت حاضر (۲) چار چار پانچ پانچ آدمیوں کا کھانا ایک وقت چٹ کر جاتے ہیں (۳) جوش کی حالت میں کوئی شہ زوروں کے قبضے میں نہیں آتے (۴) دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بتلا دیتے ہیں (۵) دور دراز کے فاصلے پر پیش آنے والے واقعات کی تفصیل سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

مغربی جرمن میں

جہاں تک جنوں، آسیبوں، چڑیلوں، پریوں، دیوزادوں اور فضا میں آوارہ پھرنے والی روحوں کے عملیات اور مظاہر کا تعلق ہے تو مشرق کا ہر ملک اس قسم کی دیومالائی کہانیوں کے لئے مشہور رہے، ہمارے معاشرے اور آس پڑوس میں ہزاروں افراد ایسے اور اس قسم کے حیرت انگیز واقعات سننے اور سنانے کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں، اوہام پرست جو ٹھہرے! لیکن یورپ؟ یورپ میں بھی مغربی جرمن؟ سائنس کا گھر فلسفے کا گہوارہ۔ تحقیق علم وطب کا عظیم ترین مرکز۔ مغربی جرمنی کے سفارت خانے (کراچی) سے ایک اردو خبر نامہ شائع ہوتا ہے۔ اس وقت یہی خبر نامہ پیش نظر ہے۔ ایک سرخی پر نظریں جمی ہوئی ہیں۔ سرخی یہ ہے کہ:

"کیا مافوق الفطرت کی سائنسی توجیہ ممکن ہے؟"

سائنس کی روشنی میں ایسے واقعات کی توضیح و تعلیل (یعنی ان واقعات کی علّت کیا ہے) جو قوانین فطرت سے بلند یعنی عادت کے خلاف (خارق العادہ نظر) آئیں مضمون نگار نے یہ سوال قائم کر کے خود اقرار کیا ہے کہ فی الحال سائنسی طور پر اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ جب سے انسان اس زمین پر آباد ہے۔ بھوت، پریت اور مافوق الفطرت واقعات سے اس کا سابقہ پڑتا رہا ہے۔ عقیدے کی بات اور ہے جہاں تک خالص سائنٹفک تحقیق اور تجربے کا تعلق ہے۔ ہماری زندگی کے چند پہلو ایسے باقی ہیں جو اب تک انسانی تجربے اور علم کی رسائی سے باہر ہیں۔ بھوت پریت اور مافوق الفطرت مظاہر اسی زمرے میں آتے ہیں۔ روحوں کی دنیا کا تحقیقاتی سلسلہ پچھلی صدی میں شروع ہوا تھا، اس مقصد کے لئے انگلستان، جرمنی، امریکہ اور فرانس میں متعدد بلند پایہ علمی سوسائٹیاں قائم ہوئیں اور اب تک کام کر رہی ہیں۔ سب کا مقصد یہ ہے کہ سپر نارمل واقعات کی کوئی قدرتی اور سائنسی توجیہہ کی جا سکے۔

پہلا سائنسی تجربہ

اب تک جنّات کے واقعات کو ریکارڈ کرنے والے مناسب سائنسی آلات موجود نہ تھے یا تھے تو نامکمل لیکن پچھلے دنوں وفاقی جمہوریہ جرمنی میں ایک واقعہ ایسا رونما ہوا جسے اس ضمن میں پہلا سائنسی تجربہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ سائنسی آلات نے جو شہادت فراہم کی ہے وہ اگر صحیح ہے تو اس تجربے کو روحوں کی سائنسی تحقیقات میں سنگِ میل قرار دیا جائے گا۔ پچھلے سال نو دسمبر کی بات ہے کہ ایک وکیل کے دفتر میں ناقابلِ یقین واقعات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کبھی دفتر میں لگے ہوئے بجلی کے بلب خود بخود پھٹ جاتے۔ کبھی برقی قمقمے ہولڈر سے نکل کر زمین پر گر کر ٹوٹ جاتے۔ شارٹ سرکٹ اور فیوز کا اڑ جانا تو معمولی بات تھی۔ ہزار جانچ پڑتال کے بعد ان حیرت انگیز کرشموں کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ چند روز بعد

ٹیلی فون پر بھی بلا نازل ہوگئی۔ یعنی وہ نادیدہ جن یا بھوت دفتر کا ٹیلی فون بھی استعمال کرنے لگا۔ بھوت جتنی کالز (CALLS) کرتا وہ ٹیلی فون کے آٹومیٹک ایکس چینج میں ریکارڈ ہوتیں۔ اوران کا بل وکیل صاحب کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ واقعات میونخ کے قریب قصبہ رفھن ہائم میں ایک وکیل کے دفتر میں پیش آرہے تھے۔ ڈان ایکسپریس سروس کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وکیل صاحب کے دفتر میں " اینا میری شولڈر" نام کی ایک اکیس سالہ خوبصورت لڑکی کام کرتی ہے، اس لڑکی پر جن آتے ہیں۔ یہ شرارتیں وہی جن کرتا ہے۔ بجلی اور ٹیلی فون کے محکمے نے سینکڑوں کوششیں کیں کہ ان سینکڑوں پُراسرار واقعات کا سبب معلوم کریں۔ مگر نہ کرسکے ماہرین نے ریڈیائی اور برقی لہروں کو پکڑنے والے پیچیدہ نازک آلات اور برقی رو کو ریکارڈ کرنے والے بہت ہی حسّاس ترین مشینیں وکیل صاحب کے دفتر کے چاروں طرف نصب کیں۔ مگر کوئی پتہ نہ چلا اور بھوت بدستور بجلی اور ٹیلی فون سے کھیلتا رہا۔ جب ماہرین نے بہت زور مارا تو نادیدہ جن غصّے میں بھر گیا، اب اس نے مزید شرارتیں شروع کردیں۔ دفتر کی روشنیاں خود بخود بجھ جاتیں۔ بلب بیچ دار ہولڈروں سے گر پڑتے۔ ریڈیائی آلات پر جانفنوز سگنل محسوس ہونے۔ پھر یہ ہوا کہ حسّاس مشینیں خود بخود پھٹنے لگیں۔ دیوار پر لگی ہوئی تصویریں آپ ہی آپ ناچنے لگیں۔ کیلنڈر دیواروں سے اکھڑنے اور ہوا میں لہرانے لگتے سائنسدانوں نے ہفتوں تک ان پُراسرار واقعات کی چھان بین کرنے کے بعد چوبیس صفحے کی ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ بلاشبہ کوئی نادیدہ قوت ان تمام واقعات کے پس پشت کام کررہی ہے۔ فری برگ جرمنی کے انسٹی ٹیوٹ آف پیراسائیکالوجی کے ڈائریکٹر پروفیسر ہانز بینڈرز نے اعلان کیا ہے کہ انکی تحقیقات کے نتیجے میں سائنسی طور پر بھوتوں کا وجود ثابت ہوگیا ہے۔ ڈان ایکسپریس سروس کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ان واقعات کے بعد اینی میری شولڈر نے وکیل صاحب کا دفتر چھوڑ دیا اور ایک نوجوان دوست آرتھر شمٹ سے شادی کا ارادہ کیا۔ لیکن بدنصیب آرتھر شمٹ نے بھوتوں کے وہ کرشمے دیکھے کہ اس جن زدہ لڑکی سے

شادی کا ارادہ فسخ کر دیا، اب یہ جنّات کی محبوبہ تنہا پُراسرار زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہاں اپنی میری شولڈر کے ذکر سے یاد آیا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ عام طور پر کنواریاں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نادیدہ مخلوق یا کسی مافوق توانائی (سپر نارمل ایجنسی) کی آلہ کار بن جاتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کے لوگوں اور بوڑھوں پر یہ غیبی حملہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہ سوال ہمیشہ مابعد النفسیات والوں کے پیش نظر رہا ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جنسی توانائی اور روحی طاقت ایک ہی حیاتیاتی رجحان کے دو مظہر ہیں جس طرح برقی قوت اور مقناطیسیت لازم و ملزوم ہیں اسی طرح جنسی طاقت اور روحی طاقت ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائی جا سکتیں۔ جو لوگ روحی یا روحانی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اپنی جنس پر کڑی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں۔ روزے اور عشرۂ رمضان کے زمانہ اعتکاف میں کامل تجرّد لازمی ہے۔ اکثر فقرا شادی نہیں کرتے۔ بعض اعمال و وظائف کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان دوران عمل شہوت رانی سے اجتناب برتے گا۔ یہ تمام پابندیاں اس لئے ہیں کہ تجرّد یا برہم چاریہ پن کے ذریعے جنسی قوت کے ضائع ہو جانے کو روکا جا سکے، تاکہ انسان کی مناسب ذہنی، دماغی اور روحانی نشوونما ہو سکے۔ جوان ہونے والی لڑکیوں اور لڑکوں کی غیر استعمال شدہ توانائی۔ عجب نہیں کہ نادیدہ دنیا کی ہستیوں کو کسی پُراسرار رشتے کی بنا پر اپنی طرف کھینچ لیتی ہو۔ البتہ ہر آسیب زدہ کہلانے والی لڑکی طلسماتی اور جنّاتی نہیں ہوتی۔ عام طور پر ہسٹریا اور تقسیم شخصیت کے کیس، آسیب زدگی کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہیں۔ عام طور سے جن لڑکیوں کے سر پر شیخ سدّو یا اسی قسم کے کوئی نام نہاد بزرگ آتے اور طرح طرح کے تماشے دکھاتے ہیں۔ ان کا اعصابی نظام کمزور، ان کے خون میں گڑبڑ، سوداویت کا غلبہ۔ ماہانہ اخراج خون میں خرابی اور ضعف ہضم کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ لڑکے اور لڑکیاں شدتِ جذبات کے جوالا مکھی اپنے اندر چھپائے رکھتی ہیں۔ انکی شخصیت دو حصّوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ شخصیت کا ایک حصّہ وہ، جو انکے کچلے ہوئے، دبائے ہوئے اور نفس کے اندر گہرے دبے ہوئے جذبات سے مرکّب

ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ جس کا تعلق براہِ راست عقلِ سلیم سے ہوتا ہے۔ عقلِ سلیم، جس کی مدد سے وہ نارمل زندگی بسر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی بیرونی تحریک (کوئی منظر، کوئی آواز، کوئی پیام، کوئی ہیجان، کوئی محرک) سے اندرونی جذبات میں ہلچل برپا ہو جاتی ہے۔ یہ تمام جذبات سمٹ سمٹا کر اُبلتے ہوئے، بپھرتے ہوئے طوفانی دھارے کی طرح دل و دماغ کی طرف بڑھتے ہیں اور آدمی آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ آسیب زدگی اسی کیفیت کو کہتے ہیں۔ اس کیفیت کے زیرِ اثر مریض ننگی ننگی گالیاں بکتا ہے۔ کپڑے پھاڑ دیتا ہے۔ بال نوچتا ہے۔ جھومتا ہے، رقص کرتا ہے، لڑتا ہے جھگڑتا ہے اور ایسی عجیب و غریب حرکتیں اس سے سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے مریضوں کو چراغوں کے سامنے بٹھایا جائے یا کسی چمکدار نقطے کی طرف پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل تکتے رہنے کی ترغیب دی جائے تو ان پر آسانی سے استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ استغراق کی کیفیت کو تنویمی نیند بھی کہتے ہیں۔ یہ کیفیت بڑی حیران کن کیفیت ہے۔ اس عالم میں معمول کے اندر غیر معمولی طاقتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ حال ہی میں سوویت یونین کی ریاست آذربائی جان کے پوسٹ گریجویٹ میڈیکل سنٹر ٹریننگ دی جائے (باکو) کی ایک رپورٹ نظر سے گزری جو بجائے خود پُراز معلومات ہے اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استغراق کی حالت میں انسانی ذہن اور جسم یکایک کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے۔

عملِ جراحی

اس انسٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ تنویمی حالت میں مریض کے پیچیدہ سے پیچیدہ آپریشن کئے جا سکتے ہیں۔ مریض بسترِ خواب پر ساکت و صامت پڑا رہتا ہے، اس کی حس و حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ آپریشن کے بعد زخموں کی تکلیف کا ذرا سا احساس بھی نہیں ہوتا نقاہت نہیں ہوتی۔ مریض پر پانچ چھ مرتبہ تنویمی عمل کر دینا کافی ہے، اس کے بعد وہ بدترین

سے بدترین عمل جرّاحی کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کرسکتا ہے۔ آذربائی جان کے پوسٹ
گریجویٹ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ ٹریننگ کے شعبۂ عمل جراحی اور شعبۂ تخذیر (بے ہوش
کر دینے والی دواؤں کو استعمال کرنے والا شعبہ) کے نفسیاتی کلینک نے اس قسم کے بچپن مریضوں
کا آپریشن نہایت کامیابی کے ساتھ کیا۔ قلب کی جرّاحی کے ماہرین اور نفسیاتی اور اعصابی امراض کے
معالجین کے اشتراکِ عمل سے ان آپریشنوں کو کامیاب بنایا گیا۔ آپریشن کے بعد مریض پر
خواہ مخواہ خوف و دہشت کا جو دورہ پڑتا ہے، اس کا علاج بھی تنویمی ترغیبات کے ذریعے ہی
ممکن ہے۔ تنویمی علاج کے اس کامیاب طریقۂ علاج کو پروفیسر ج عبداللائیف ڈاکٹر آف
میڈیکل سائنس۔ پروفیسر ا۔ فیل اور خ مالوف نے مشترکہ کوششوں سے پایۂ تکمیل تک
پہنچایا ہے ان ماہرین کی رائے میں قلب کا آپریشن ہو یا دماغ کا۔ جگر پر عمل جراحی کیا جائے یا
گردوں پر۔ اس سب سے بہتر طریقۂ عمل تنویم کا استعمال ہے۔ تنویم کے ایک کیس میں گلے کے غدود دو
نکالنے کا آپریشن مریض کو بے ہوش کئے بغیر (صرف سجیشن کی امداد سے) کیا گیا۔ سب سے
زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ترغیبات کے زیر اثر نہ صرف مریض کو تکلیف محسوس نہیں
ہوئی بلکہ عمل جراحی میں خون بھی نہیں بہا۔ آپ اس چیز سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب استغراق
کی حالت میں جسم کی اتنی صلاحیتیں اور طاقتیں بروئے کار آجاتی ہیں تو حالت بے خودی میں
نفس انسانی کے کرشمے کتنے عجیب و غریب ہو جاتے ہوں گے۔ جن کا مظہر بھی تو نفسِ انسانی
سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

سیّد حسن

جناتی دورے کی کیفیت بھی ایک طرح کی تنویمی حالت ہی ہے جس طرح ہپناٹزم
کے زیر اثر معمول یا مریض کے تمام اعصاب اعضا اور دل و دماغ پر صرف ایک لفظ، ایک فقرہ
ایک حکم، ایک ترغیب اور ایک تلقین چھا جاتی ہے۔ اسی طرح آسیب یا جن کے زیر اثر معمول غیر

شعوری طور پر کام کرتا ہے اور بے چارے کو خود بھی نہیں پتہ چلتا کہ اس دورے کی حالت میں اس نے کیا کیا کہا اور اس سے کیا کیا حرکات سرزد ہوتیں۔

سب رنگ ڈائجسٹ کے ایڈیٹر شکیل عادل زادہ لکھتے ہیں کہ:

والد (عادل ادیب مرحوم) کے انتقال کے بعد گھر میں تایازاد بھائی کامل ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ مشہور تھا کہ ان پر سیّد جن آتے ہیں (جن اور سیّد؛ اس کا جواب ہی نہیں) اکثر ایسا ہوتا کہ کامل بھائی کی آنکھیں نیلی پیلی ہو جاتیں مستانہ وار حرکات کرنے لگتے۔ برسات کی ایک شام کا ذکر ہے کہ گھر میں سب نے طے کیا کہ پوریاں پکائی جائیں۔ چنانچہ کڑھائی چڑھا دی گئی اور پوریاں تلنی شروع ہو گئیں۔ کامل صاحب کو کھانے اور پکانے کے معاملے میں خاص دخل ہے۔ اس مہم میں پیش پیش تھے۔ وہ بڑے انہماک سے پوریاں تلنے میں مصروف تھے کہ کیفیت بدل گئی۔ اتفاقاً تکلا (جس سے پوریاں تلی جارہی تھیں) ادھر سے اُدھر ہو گیا، ڈھونڈا نہ ملا، جب پوریاں تیل میں جلنے لگیں تو کامل صاحب نے بحالت استغراق انگلیاں تیل میں ڈال دیں اور اس روانی سے پوریاں تیل سے نکالنے لگے جس طرح تکلے سے نکالتے۔ ہم سب حیران و ششدر رہ گئے، لیکن اماں نے ٹوکا کہ شور مت مچاؤ۔ سیّد صاحب (جن) موجود ہیں۔ دوسری شام کو ایسا ہوا کہ اندھیرا ہو چلا تھا کہ کامل بھائی نے یکایک چیخنا شروع کر دیا روشنی کرو، روشنی کرو، ہم نے اور زیادہ روشنی کر دی۔ مگر وہ برابر چیختے رہے کہ

روشنی روشنی روشنی روشنی

کامل بھائی کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا، ان کی آنکھوں سے یکایک نور غائب ہو گیا تھا والدہ نے اسے بھی سیّد جن کی کرامت پر محمول کیا۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد یہ کیفیت دور ہو گئی اور انہیں سب کچھ نظر آنے لگا۔ میں نے ایک جنّات کے عامل یا جنّات کے معمول کو دیکھا کہ وہ اس حالت میں بالکل "جن" بن جاتا تھا۔ وہ انگلی سے اشارہ کرتا اور چیزیں ہوا میں معلق ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ وہ خود ہوا میں اٹھتا ہوا نظر آیا۔ ممکن ہے۔ یہ فریب نگاہ ہو۔ یہ شخص

کسی شخص کا قلم ۔ رومال ۔ گھڑی یا اور کوئی چیز ہاتھ میں لے کر اس کی تمام اگلی پچھلی زندگی کے
بیتے واقعات بیان کر دیتا ۔ بیماروں کے لئے صحیح نسخے تجویز کرنا اور ان نسخوں سے فائدہ ہوتا ۔ اس شخص
ہمیشہ بے خودی کی سی کیفیت طاری رہتی ۔ ان صاحب کا دعویٰ تھا کہ زعفر جن سے میرے
لقات ہیں ۔ واقعی اس شخص کی کیفیتیں اور حرکتیں عجیب سی تھیں ۔ اس معاملے پر بہت کچھ غور
رنے ، سوچنے اور تفکر و تامل کے بعد ذہن صرف اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہر انسان کے
و وجود ہوتے ہیں جسمانی وجود اور نورانی وجود (پیکرِ مثالی) یعنی گوشت پوست کا بدن اور
لیف ترین بدن ! یہ دونوں وجود اس طرح ایکدوسرے سے ملے اور جڑے ہوئے ہیں جس طرح
سم کے ساتھ سایہ ! جسمانی وجود کے ساتھ یہ لطیف جسم ہمیشہ موجود رہتا ہے ۔ یہ خاکی پیکر
س طرح ڈھکا ہوا ہے جس طرح غلاف ہو یا خول ۔ بعض افراد میں قدرتی طور پر یا مشق و ریاضت
ے یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شعوری اور ارادی کوشش سے گوشت پوست کے بدن کو
نی وجود (جسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نسمے سے تعبیر کیا ہے) سے الگ
یں ۔ موت کے بعد جسم کو زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے اور یہ پیکرِ لطیف (نسمہ) عالم انوار میں
جاتا ہے ۔ عالم انوار ۔ عالم مثال یا برزخ کیا ہے؟ کیا یہ کوئی بعید ترین نورانی دنیا ہے؟ جو
رۂ ارض سے کروروں میل پر واقع ہے ۔ جی نہیں یہ عالم انوار یہ روحانی دنیا یہ برزخ .....
ASTRAL WORL اسی کرۂ ارض پر موجود ہے ۔ ہم بیک وقت کرۂ ارض اور
م ارواح (برزخ) میں زندگی بسر کرتے ہیں ۔ البتہ اس دنیا کو اپنے حواس خمسہ کی مدد سے
فت نہیں کر سکتے ۔ اگر آپ الیکٹرانک دوربین کی مدد سے اس عبارت کا مطالعہ کریں
پ کو لفظوں اور حرفوں کے بجائے کروروں سیاہ نقطے تیزی کے ساتھ اچھلتے کودتے اور رقص
نے نظر آئیں گے ۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ یہ رئیس امروہوی کی تحریر ہے یا رقصاں سیاہ
ں کی ایک دنیا ؟ ہمارے پاس فی الحال وہ سائنسی دوربین نہیں جن کی مدد سے ہم عالم مثال
لوقات یعنی ارواح اور جنات کو دیکھ سکیں جو ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ۔

بعض لوگوں کے دماغ (غدۂ صنوبری یا پائینل گلینڈ) میں یہ پُراسرار دوربین موجود ہوتی ہے اور وہ عالمِ غیب کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ جنات کے معمول میں کسی نہ کسی وقت یہ طاقت بیدار ہو جاتی ہے۔ ہر شخص کا جسمانی وجود اور اس کا نورانی وجود مضبوطی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ اور چسپاں ہوتا ہے۔ ان دونوں میں جتنی چسپیدگی اور وابستگی ہوگی، انسان کی نفسیاتی اور اعصابی شخصیت اتنی ہی مضبوط و مستحکم ہوگی۔ البتہ بعض لوگوں کے دونوں وجودوں (جسم خاکی، جسم مثالی) کے درمیان ایک ڈھیلا ڈھالا سا تعلق ہوتا ہے اور بس! یہ تعلق اور رشتہ جس قدر ڈھیلا ڈھالا ہوگا، انسان اسی حد تک "ایب نارمل"، یا "سپر نارمل" ہوگا جنات کے عامل اور معمول دونوں اسی خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں یعنی ان کا جسم مثالی زیادہ فعّال، سرگرم اور حسّیت ہوتا ہے۔ جناتی دورہ درحقیقت جسمِ مثالی پر وارد ہوتا ہے... جسمِ خاکی تو صرف اس کے اظہار کا ذریعہ ہے:

خون آلود انگلیاں

سکندر حیات لکھتے ہیں کہ:

ہمارے گاؤں کی ایک عورت جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی، دس سال کا ایک بچہ اس کی کل پونجی تھی۔ یہ بچہ ایک دن کھیل کھیل میں کھرپے سے زمین کھود رہا تھا۔ زمین کھودتے ہوئے اچانک خون اُبل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ انسانی انگلیوں سے مشابہ تین انگلیاں کٹی پڑی ہیں۔ بچہ دہشت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ماں سے یہ واقعہ بیان کیا اور لوگ بھی جمع ہوگئے۔ سب نے دیکھا کہ واقعی کالے رنگ کی تین انگلیاں کٹی پڑی تھیں۔ عجیب بات یہ کہ ان انگلیوں پر بال بھی تھے۔ خیر لوگوں نے وہ خون آلود انگلیاں خاک میں دبا دیں۔ بچے کو اسی وقت بخار ہوگیا اور بڑھتا چلا گیا، ماں بچے کو لے کر سوگئی۔ آدھی رات کے قریب بچے کے رونے کی آواز آئی تو ماں کی آنکھ کھلی، دیکھا کہ بچہ پلنگ پر نہیں۔ پاس ہی اُپلوں کی کوٹھری تھی۔ بچہ اُپلوں پر پڑا ہوا تھا۔ ماں دوڑی دوڑی

ئی۔ بچے کو اٹھایا۔ اٹھایا ہی تھا کہ دھم سے کوئی چیز ماں پر کود پڑی۔ ماں بچے کو لے کر تیزی
بھاگی کہ ایک خوفناک آواز آئی کہ اس نے میری انگلیاں کاٹی ہیں۔ میں اسے ساتھ ہی لے
دں گی۔ عورت نے شور مچایا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ بچے کو دیکھا تو مر چکا تھا۔ بچے کی اس ناگہانی
بناک موت سے ماں پاگل سودائی ہو گئی۔ نہ کھانے کا ہوش نہ تن ڈھانپنے کی پروا!...
ل ماں دن بھر ویرانوں میں گھومتی رہتی تھی۔ اس جنون کے عالم میں ایک سال گزر گیا۔ ایک
ز کا واقعہ ہے کہ دکھیاری ماں گاؤں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر۔ پاگل پن کی حالت
ں گھوم رہی تھی کہ اس نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ دیکھا کہ اس کا بچہ جو ایک سال پہلے مر چکا
، سامنے میدان میں بکریاں چرا رہا ہے۔ پگلی یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی اور پھر ممتا کے جوش میں
بچے کو گلے لگا لیا۔ بچہ ماں ماں کہہ کر چمٹ گیا۔ بچے کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی
۔ دکھیا ماں نے بچے سے کہا کہ آؤ، میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں۔ بچے نے ڈر کر
ب دیا کہ نہیں! ماں! وہ نہیں جانے دیں گے۔ میں ہر روز یہیں آتا ہوں۔ تم مجھ سے یہیں
ل لیا کرو۔ خیر بچے سے مل ملا کر وہ عورت گاؤں میں آئی اور اس نے گاؤں والوں کو یہ
سنایا۔ مگر کسی کو یقین نہ آیا۔ سب نے سمجھا کہ یہ نصیبوں جلی، دماغ چلی۔ پاگل پن میں یہ سب
کر رہی ہے۔ اب اس عورت کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ ہر روز کوئی اچھی سی چیز پکا کر لے جاتی۔
کے ساتھ رہتی اور شام کو واپس آ جاتی۔ اب لوگوں کو شبہ پیدا ہوا۔ گاؤں کا ایک آدمی پگلی
ن کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی اس کا بچہ (جو سال بھر پہلے مر کر دفنایا جا چکا تھا)
ں پہنے بکریاں چرا رہا ہے۔ وہ گاؤں والا ڈر کر الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ اب وہ عورت بالکل
ٹھاک ہو چکی تھی۔ لوگوں سے ہنستی بولتی۔ گھر کا کام کاج کرتی۔ ایک روز عورت کو جوش
بچے سے کہنے لگی کہ آج میں تجھے ضرور گھر لے جاؤں گی۔ بچے نے پھر وہی جواب دیا کہ
وہ مجھے نہیں لے جانے دیں گے۔ لیکن ماں کو صبر کہاں؟ اس نے بچے کو اٹھا کر کندھوں
با اور گھر کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دور گئی ہو گی کہ کندھوں پر زبردست بوجھ محسوس ہوا

بوجھ کی تاب نہ لاکر غریب ماں گر پڑی۔ دیکھا تو ایک خوفناک بلا بچے کو گھسیٹے لئے جا رہی ہے۔
ماں صدمے اور خوف سے بے ہوش ہو گئی، اس کے بعد نہ وہ بچہ کہیں نظر آیا، نہ ماں زندہ بچی
اس واقعے کے سلسلے میں سکندر حیات نے میری رائے دریافت کی ہے۔ میں سکندر حیات کو
کیا رائے دے سکتا ہوں۔ واقعے کے راوی وہ خود ہیں۔ سب سے پہلے انہیں اپنی رائے دینی چاہیے
کہ وہ اس واقعے کو صحیح سمجھتے ہیں یا غلط؟ یہ واقعہ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ بچے کی موت
پر ختم ہو جاتا ہے یعنی زمین کھودتے ہوئے تین سیاہ رنگ کی خون آلود انگلیاں زمین سے
بر آمد ہوتیں سنے بچے کو بخار آیا اور وہ مر گیا۔ سکندر حیات نے لکھا ہے کہ وہ انگلیاں بہت
سے لوگوں نے دیکھیں۔ یہ انسانی انگلیوں سے مشابہ تھیں اور ان پر سنہری بال تھے۔ خیر اس حد
تک سکندر حیات کی ذمہ داری پر میں اس واقعے کو تسلیم کئے لیتا ہوں۔ جہاں تک اس واقعے کے
دوسرے حصّے کا تعلق ہے (مردہ بچے کا زندہ ہو کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے بکریاں چرانا)
تو اس کی راوی صرف ایک پاگل عورت ہے۔ پھر ایک گاؤں والے نے بھی اس بیان کی تصدیق
کی۔ لیکن یہ دونوں شہادتیں قابلِ قبول نہیں۔ پاگل مرد و عورت خیالی شکلیں دیکھتے ہیں اور
انہیں حقیقی سمجھ لیتے ہیں۔ یہ روزمرہ کا تجربہ ہے۔ ماں اپنے بچے کے غم میں گھل گئی تھی۔ عجب نہیں
کہ شدّتِ تصوّر کے سبب اسے اپنا بچہ نظر آنے لگا ہو۔ تخیل اور تصوّر میں بڑی قوت ہے
خصوصیت کے ساتھ دیوانے کا تصوّر تو بڑا عجیب اور نہایت قوی ہوتا ہے۔ دیوانہ آدمی جو
تصوّر کرے وہ مجسّم ہو کر سامنے آجائے گا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ پاگل عورت نے بکریاں چراتے
ہوئے جس پابہ زنجیر لڑکے کو دیکھا، یا تو وہ سارا نظارہ خیالی تھا یا کسی دوسرے گاؤں کا بچہ بکریاں
چرا رہا تھا۔ دُکھیا ماں نے اسے اپنا بیٹا تصوّر کر لیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکا اس کے بچے
کا ہم شکل ہو۔ جہاں تک پاؤں میں زنجیروں کا تعلق ہے تو اگر غم زدہ بے قرار ماں کو مرا ہوا
بچہ بکریاں چراتے نظر آسکتا ہے تو اسکے پاؤں میں زنجیریں کیوں نہیں نظر آسکتیں، اگر ہم
یہ فرض کر لیں کہ بھینس بین بجا سکتی ہے تو یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ ہوا میں اڑ سکتی ہے۔ اگر ایک

خلاف عقل بات کو تسلیم کر لیا جائے تو دوسری خلاف عقل بات کو بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ہم سکندر حیات صاحب کے بیان کردہ کیس کی تصدیق کر سکتے ہیں نہ تردید! واللہ اعلم کیا معاملہ تھا؟ کس طرح پیش آیا اور کیوں پیش آیا؟

سیاہ بلّیاں

ذاکر اجمیری بہت اچھے شاعر، قلم کار، خطّاط اور خوش نویس تھے۔ فنِ شعر میں مجھ سے اصلاح لیتے تھے۔ قیام حیدر آباد میں تھا۔ حال ہی میں بعارضہ تپِ دق ان کا انتقال ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۷۲ء میں میرے دو بہترین شاگرد۔ طاہر صلاح الدین (ستمبر کے پہلے ہفتے میں ڈیرہ اسماعیل خاں میں رحلت پائی۔ کئی سال سے تپِ دق کے جان لیوا مرض میں مبتلا تھے) اور ذاکر اجمیری دق کا شکار ہو گئے۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ذیل میں جوانمرگ ذاکر اجمیری کا ایک خط ملاحظہ فرمائیے:

کراچی چھوڑے ہوئے ایک سال ہونے کو آیا۔ ایک مرتبہ پھر اسی الجھن میں مبتلا ہوں جس سے ہر سال دو چار ہونا پڑتا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے سے سیاہ رنگ کی بلیّوں نے بازار سے گھر تک ساتھ دینا شروع کر دیا ہے۔ یہ بلّیاں کھانا کھانے وقت میرے سامنے بیٹھی رہتی ہیں۔ لاکھ لقمہ پھینکتا ہوں مطلق منہ نہیں لگاتیں۔ بلکہ مسلسل گھورے جاتی ہیں، میں نے ان کی نگاہوں کا مفہوم پڑھنے کی بے حد کوشش کی، ناکام رہا۔ ان کی نگاہوں میں نہ حیرت ہوتی ہے نہ غصّہ! ایسا لگتا ہے کہ کسی ان دیکھی طاقت نے انہیں میری نگرانی پر مامور کر دیا ہے۔ اکثر آنکھ کھلنے پر دیکھتا ہوں کہ یہ بلّیاں پلنگ کے نیچے اس طرح چکر لگا رہی ہیں جیسے پہرے پر ہوں۔ استادِ محترم! یہ بلّیاں نہ میری محبت کا جواب دیتی ہیں نہ نفرت و حقارت کا۔ بس ایک پُر اسرار انداز میں آنکھوں کے اندر آنکھیں ڈالے دیکھتی رہتی ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو اپنی اس کیفیت سے آگاہ کیا تھا تو دوسری ہدایتوں کے علاوہ آپ نے یہ ہدایت

بھی کی تھی کہ بلیوں کے اس طلسم ہوشربا کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ سیاہ بلیوں کے اس ہنگامے کے ساتھ ایک اور کیفیت سے بھی دوچار ہوں۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سموچی کائنات عطر میں بسی ہوئی ہے اور میں خود عطروں، نکہتوں اور شمیموں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ جسم سونگھتا ہوں، کپڑے سونگھتا ہوں۔ مگر یہ خوشبو نہ جسم سے آتی ہے نہ لباس سے! نہ جانے کہاں سے آتی ہے؟ استادِ محترم! مجھے صاف سنائی دیتا ہے کہ میرا نام لے کر پکارا جارہا ہے۔ پچھلے دنوں سے مجھے "افغانی شاہزادے" کے نام سے پکارا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ میرا نسب افغانستان کے شاہی خاندان تک پہنچتا ہے۔ میں نے کبھی اس پکار کا جواب نہیں دیا۔

یہ فقط شورشِ ہوا تو نہیں
کوئی مجھ کو پکارتا تو نہیں

رات کی تاریکی میں انجانی آوازیں آتی ہیں۔

ذاکر! ذاکر! افغانی شہزادے!

استادِ محترم! یہ کتنی ناقابلِ یقین حقیقت ہے کہ میں جو سخت بزدل واقع ہوا ہوں اور اس قسم کی چیزوں سے سدا ڈرتا رہا ہوں۔ ان واقعات سے قطعاً خوف زدہ نہیں ہوتا، اپنے کو بہادر اور توانا محسوس کرتا ہوں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ جب تک یہ بلّیاں میرے پاس رہتی ہیں، میں ناگہانی حوادث سے اس طرح بچ جاتا ہوں کہ حیرت ہوتی ہے۔ جس طرح مخفی قوتیں نگہبانی کر رہی ہیں۔ کل میرا رکشا ایک جیپ سے اس طرح ٹکرایا کہ رکشا کھینچنے والا بے ہوش ہو کر گر پڑا، مگر مجھے خراش تک نہ آئی۔ بیداری میں یہ حالت اور نیند میں یہ صورت کہ سچے خواب نظر آتے ہیں۔ خواب کی حالت میں جو گفتگوئیں ہوتی ہیں، جاگنے کے بعد لفظ بہ لفظ وہی گفتگو سنتا ہوں۔ بحالتِ خواب دیکھتا ہوں کہ فلاں شخص ملیریا میں مبتلا ہے۔ صبح جاگنے کے بعد تصدیق ہوگئی۔ خواب میں ایک عزیزہ کی بیماری اور موت کا واقعہ دیکھا۔ ہو بہو ویسا ہی

دہی پیش آیا۔ خواب میں دیکھا، ایک صاحب ہندوستان سے آئے ہیں۔ صبح گھر پر موجود وہی کپڑے۔ وہی جوتا، وہی تھیلا، وہی صندوق۔ بحالت خواب نظر آیا کہ دو آدمیوں میں برف کے لین دین پر جھگڑا ہو گیا ہے اور برف والے نے برف توڑنے والی ہتھوڑی گاہک کے پیٹ میں مار کر اسے شدید زخمی کر دیا۔ دوسرے روز بیداری میں یہی واقعہ پیش آیا۔ استادِ محترم یہ سب کیا ہے۔ کیوں ہے؟

جنّات کی روایات میں سیاہ بلّیوں کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے۔ ہماری طرف عام خیال یہ ہے کہ جنّات سیاہ بلّیوں کا روپ بھی دھار لیتے ہیں۔ بعض سانپ بھی جن گرفتہ ہوتے ہیں۔ ابلیس جنّات کا ابوالاباء ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ وہ سانپ ہی تھا، جس نے جنّت میں حوّا تک شیطان کا پیامِ ضلالت پہنچایا تھا۔ ذاکر اجمیری مرحوم کو یقین تھا کہ سیاہ بلّیوں کے روپ میں جن اُن سے ملاقات کرتے ہیں۔

ایک فلسفی کی شہادت

مشہور مفکّر اور فلسفی سی ای ایم جوڈ اپنی تصنیف افکارِ حاضرہ میں اسی قسم کے مناظر اور مظاہر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

جنّات کے کرتوت اور اُن کی شرارتیں وہ مظاہر ہیں جنہیں سفلی روحوں یا زمین و ہوا کے موکلوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ مظاہر کسی ظاہری سبب کے بغیر نمودار ہوتے ہیں۔ مثلاً چھوٹی موٹی چیزوں کا خود بخود حرکت کرنا۔ بعض اوقات تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ توجہ بٹانے، منہ چڑانے، نقلیں اتارنے، مذاق اڑانے یا برہم کر دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ جنوں کی شرارت کے سبب ہو رہا ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی نئے مکان کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے زمین کی نیو کھودی جاتی ہے تو کبھی کبھی اس قسم کے واقعات کا طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ دروازے اور الماریاں خود بخود

کھلتی اور بند ہو جاتی ہیں۔ پانی کے لوٹے خود بخود الٹ جاتے ہیں۔ یکایک گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ نادیدہ ہاتھ بچوں کے بال کھینچتے ہیں پروفیسر جوڈ نے لکھا ہے کہ عام طور پر جناتی واقعات دور دراز علاقوں میں پیش آتے ہیں، اس لئے ان کی سائنسی تحقیق ممکن نہیں، لہذا غیر محتاط راویوں کے بیانات پر تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ چند سال پہلے ایک ایسا موقع ملا کہ پابند حالات (جو سائنسی تجربے کے لئے ضروری ہے) اور باضابطہ نگرانی میں ایک جن گرفتہ لڑکی کا معائنہ کیا گیا۔ رومانیہ کے ایک کسان کی لڑکی ایلیونار جنات کے اثر میں آ گئی۔ ہوتا یہ تھا کہ اس کے چہرے، بازوؤں یا پیروں پر دانتوں کے نشان یا نیل پڑ جاتے۔ اور اس کا کوئی سبب نظر نہ آتا۔ جب ایلیونار سے پوچھا جاتا تو وہ انہیں کسی جن کی کارستانی قرار دیتی پھر اسی زمانے میں حسب ذیل واقعے کا مشاہدہ کیا گیا۔ کمرے کی چھت سے ایک آدھ انچ نیچے چاروں طرف دیواروں پر تختے جڑے ہوتے تھے۔ جن پر دھات کے بنے ہوئے حروف تہجی [illegible] رکھے ہوتے۔ جو خود بخود اچھل کر زمین پر گر پڑتے، نشان زدہ سکے میز کی درازوں [illegible] گم ہو جاتے اور لوگوں کی جیب سے نکلتے۔ ایلیونار کبھی کبھی چیختی کہ جنات مجھ پر حملہ کر رہے ہیں اور فوراً اس کے بازوؤں پر زخم سے ابھر آتے۔

نادیدہ مخلوق

نادیدہ مخلوق (خواہ وہ جنات ہوں یا پری زاد یا آسیب) کی سب سے زیادہ علمی تحقیق ایف۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ مائرس نے کی ہے جو انگلستان میں روحی مظاہر اور سپرنارمل واقعات کی چھان بین کرنے والے ادارے (S.P.R) کے بانیوں میں شامل تھے، ما[illegible] کا بیان یہ ہے کہ اس قسم کے حیرت انگیز واقعات ان ہستیوں کے اشارے سے پیش آتے ہیں جو ہم سے مختلف وجود رکھتے ہیں ممکن ہے کہ وہ شعور برتر IGHER INTELL-GENCES) کی بھی مالک ہوں۔ ممتاز سائنس داں اور روحی تحقیقات کے ماہر

آلیور لاج نے ایف ڈبلیو ایچ مائرس کے نقطۂ نظر کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ:

یہ عجیب و غریب مظاہر مائرس کے لئے ذرا بھی حیرت انگیز نہ تھے۔ کیونکہ اس نے کائنات کا جو نقشہ بنایا تھا اس کے فریم میں یہ تمام مظاہر اور واقعات بآسانی فٹ ہو جاتے تھے، وہ اس کے وسیع تر نظام فلسفہ کا ایک بنیادی جزو تھے۔ سر آلیور لاج کے بیان کی تشریح یہ ہے کہ مائرس۔ نادیدہ مخلوق کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے عالم غیب اور عالم ارواح کا ایک قیاسی نقشہ بنا رکھا تھا اور جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ مائرس کی نظر سے گزرتا وہ اس کی تشریح اپنے فلسفۂ کائنات کی روشنی میں کر لیتا، اسطرح مائرس کو کسی نظریاتی الجھن کا مقابلہ نہ کرنا پڑا۔ دوسرے تمام سائنس داں (جنھوں نے ان مظاہر کی چھان بین میں حصّہ لیا تھا) جس میں الجھ کر رہ گئے۔ مائرس فقط حیات بعد الممات (زندگی پس از مرگ) ہی کا معتقد نہ تھا بلکہ ایسی مخلوقات کے وجود کو بھی مانتا تھا۔ جو ترکیب و ساخت کے لحاظ سے انسان سے مختلف ہو۔ سی ایم جوڈ نے نادیدہ مخلوقات کے وجود اور ان کے ظہور پر بحث کرتے ہوئے مشہور سائنسداں سر جیمس جینس (پُراسرار کائنات کے مصنّف) کے نظریات پر بحث کی ہے۔ سر جیمس جینس نے کائنات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ خلا میں ایسے سیّارے موجود ہوں جہاں زندگی (دوسری شکل ہی میں سہی) کے رونما ہونے کا امکان ہو۔ مشہور یہ ہے کہ جن چاند کے غاروں اور مریخ کے میدانوں میں رہتے ہیں۔ چاند پر حضرت انسان چہل قدمی کر چکے ہیں وہاں کسی جن۔ پری یا دیو کا نقشِ قدم نظر نہیں آتا۔ یہی حال مریخ کا ہے۔ مریخ کا چپّہ چپّہ ہماری دوربینوں کی زد میں ہے۔ مریخ پر آبادی کا بعید ترامکان بھی موجود نہیں۔ یہی حال زہرہ، مشتری اور اس نظام شمسی کے دوسرے سیّاروں کا ہے۔ ہم اس امکان کو قطعاً مسترد کر سکتے ہیں کہ اس نظام شمسی میں کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور کرّے پر زندگی کا امکان یا زندہ مخلوقات پائی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کائنات کے بعید ترین گوشوں میں ایسے سیّارے یا ستارے موجود ہوں، جن میں "جنّ" جیسی مخلوق آباد ہو۔

لحیم شحیم حسینہ

اردو کے مشہور ناول امراؤ جان ادا کے مصنف مرزا محمد ہادی رسوا کے پوتے مرزا محمد عسکری (ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ حیدر آباد سندھ) کا بیان ہے کہ میرے دادا مرحوم (مرزا ہادی رسوا) کے انتقال کے بعد میرے چچا آغا علی مرحوم نے مجھے گھر سے الگ کر دیا۔ اور میں اپنا گزارہ بچوں کو مکتب پڑھا کر کرنے لگا۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں حیدر آباد دکن کے محلہ سید جنگ کی گلی میں دس روپے ماہانہ پر دو منزلہ مکان کرائے پر لیا۔ اس مکان کے بارے میں عجیب و غریب روایتیں مشہور تھیں لیکن میں ان کا قائل نہ تھا۔ پھر میں پنج وقتہ نمازی۔ یٰسین شریف کا وظیفہ خواں باطہارت عبادت کا عادی تھا غرض اس مکان میں فروکش ہوا۔ اجنبی اور ویران مکان۔ پھر یہ وحشت و تنہائی! کوئی بارہ بجے شب کے قریب ایسا محسوس ہوا کہ کمرے میں کچھ انجانے ان دیکھے لوگ ادھر اُدھر چل رہے ہیں۔ میں نے دعائیں پڑھ کر چادر منہ پر ڈال لی۔ کچھ دیر بعد کسی پُراسرار ہستی نے میرے قریب آکر زور زور سے سانس لینا شروع کیا۔ صبح کو لوگ مجھے زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دوسرے روز میں نے سونے کا کمرہ بدل دیا۔ خواب میں ایک لحیم شحیم حسینہ تشریف لائیں اور آکر میرے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ خواب ہی میں خیال آیا کہ یہ مالکِ مکان کی صاحبزادی ہیں۔ میں نے بدنامی کے خیال سے اُن سے الگ بیٹھنے کو کہا۔ یکایک مجھے اپنے سینے پر کافی وزن محسوس ہوا، جیسے کوئی بُری طرح دبا رہا ہے۔ فوراً آنکھ کھل گئی۔ سارا جسم شل اور میں ناپاکی کے عالم میں تھا۔ فوراً اٹھ کر حمام کیا۔ نماز پڑھی اور ورود وظائف میں مشغول ہو گیا۔ تیسرے روز جب بچوں کو تعلیم دے کر مکان میں داخل ہوا، زینے پر اندھیرا تھا، پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روشنی ساتھ ساتھ چل رہی ہے گھبراہٹ تو ہوئی، تاہم دل کو مضبوط کر کے میں نے اس روشنی سے کہا کہ شکریہ! ان ڈرا دینے والے واقعات کے زمانے میں چونکہ میری قوتِ ارادی برقرار رہی اور اپنے کام میں لگا رہا،

اس لئے کوئی نقصان نہ پہنچ سکا (نھڑ دلے لوگ ایسے حالات میں کبھی کبھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں) اب آرام سے زندگی گزرنے لگی۔ تاہم کبھی کبھی پراسرار آوازیں آتی تھیں کہ تم اس مکان کو خالی کر دو، یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ پچھتاؤ گے! میں ترکی بہ ترکی جواب دیتا کہ کیوں چلے جائیں، ہم اس مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ دس روپے مہینہ ادا کرتے ہیں۔ حد سے حد یہ ہوتا کہ کسی نے سوتے میں پاؤں کا انگوٹھا پکڑ لیا... زبردستی بستر سے اٹھا دیا، یا کوئی انجان وجود قریب آکر زور زور سے سانس لینے لگا یا پھر سینے پر غیر معمولی دباؤ بڑھ گیا۔ جسے آپ کابوس بھی کہہ سکتے ہیں۔ کبھی کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز آتی۔ کبھی کوئی میرا نام لے کر پکارتا۔ مگر اب میں ان شتر غمزوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ایک رات کوئی عورت اپنے دس سالہ بچے کو لے کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ جنازے کے ساتھ قبرستان گیا تھا، وہاں سے واپس آکر بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ میں نے حصار کھینچ کر اس لڑکے کو بٹھایا اور لوبان سلگا کر سورۂ جن کی تلاوت شروع کر دی۔ لڑکے کے بال بھی پکڑ لئے اور برابر اس پر پھونکتا رہا۔ لڑکا فوراً جھومنے اور سر سے کھیلنے لگا۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں اب کبھی نہیں آؤں گا۔ بچے کے منہ میں جھاگ بھر گئے، آنکھیں جذبہ انگیز اور چہرے میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی اجنبی روح کو کسی اجنبی جسم پر قابض ہوتے دیکھا، اس نے اپنا نام "بدلو" بتایا۔ اس مکان میں جو روحیں یا جنات رہتے تھے۔ وہ مجھے نامعلوم کی خبریں بھی دیا کرتے تھے۔ بعد کو ان کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ مثلاً مجھے بتایا گیا کہ تمہارے استاد حادثے کا شکار اور کچل کر مر گئے۔ میں نے اسے جھوٹ پر محمول کیا۔ ان کے گھر جا کر دیکھا تو وہ واقعی "ایکسیڈنٹ" میں ہلاک ہو چکے تھے

ایم حسن (نوشہرہ) رقمطراز ہیں کہ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی پر جنات کا اثر ہے، میں ان توہمات پر یقین نہیں رکھتا۔ لیکن اس لڑکی کی عجیب و غریب حرکات دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لڑکی کی مادری زبان پشتو ہے۔ مگر جب اس پر جناتی دورہ پڑتا

ہے تو وہ اُردو بولنے لگتی ہے۔ حالانکہ گاؤں میں چند ہی لوگ اُردو بول چال سمجھ سکتے ہیں چنانچہ جب اس لڑکی پر جن آتے ہیں تو سوال جواب کے لئے مجھے طلب کیا جاتا رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ اُردو دلی والوں کی طرح ٹکسالی اور بامحاورہ ہوتی ہے صورت حال یہ ہے کہ پچھلے ہفتے سے کچھ نہیں کھا رہی صرف نمکین پانی پر گزارہ کر رہی ہے۔ دن رات میں کسی وقت ٹائم پوچھا جاتا ہے تو آنکھیں بند کئے کئے صحیح وقت بتا دیتی ہے۔ زمین پر بیٹھ کر بچوں کی طرح کھیلتی ہے۔ ایک روز جب لڑکی کو زمین سے اٹھا کر پلنگ کی طرف لے چلے تو دیکھا کہ وہ کچھ کھا رہی ہے منھ کھولا تو اس کے منہ میں چینی تھی۔ حیران کہ منھ میں چینی کہاں سے آئی؟

عاشق جن

خالق داد صاحب (ہزارہ سے) لکھتے ہیں کہ میری لڑکی جنوری سے بیمار ہے، ابتدا میں دل کے دورے پڑتے تھے۔ علاج کرایا گیا۔ افاقہ نہ ہوا۔ خیال آیا کہ اعصابی کمزوری ہے دماغ کا ایکسرے کیا گیا تو کوئی نقص ظاہر نہ ہوا۔ جولائی میں چار چار پانچ پانچ گھنٹے تک بے ہوشی طاری رہنے لگی۔ آخر ایک روز مریضہ نے دورے کے عالم میں بتایا کہ میرا نام تیکل ہے اور میں سلیم کی لڑکی ہوں۔ جب تیکل سے پوچھا گیا کہ تم اس لڑکی پر کیوں آتی ہو؟ تو اس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتی مجھے اس کی صفائی کی عادت بہت پسند ہے۔ یہ سفید کپڑے پہنتی ہے۔ میں اسے کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔ جب یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تو مریضہ کا پیچھا نہ چھوڑے گی تو تجھے جلا دیا جائے گا تو تیکل نے قسم کھا کر کہا کہ اب میں کبھی نہیں آؤں گی۔ خالق داد صاحب لکھتے ہیں کہ اس روز سے تیکل تو نہیں آتی، مگر مریضہ کی بے ہوشی بدستور جاری ہے۔

مولانا شبیر اور جنات

مشہور ممتاز قومی کارکن جناب عبدالحئی عباسی بی۔اے۔ایل ایل بی (ایڈوکیٹ)

سکھر لکھتے ہیں کہ:

"بھوت پریت اور سائنس" کے زیرِ عنوان میرے دوست رئیس امروہوی ایک سلسلۂ مضامین لکھ رہے ہیں جس کا میں بہ شوق مطالعہ کرتا ہوں۔ روزنامہ جنگ کراچی میں میرے شفیق دوست ڈاکٹر الٰہی علوی کا مضمون "جادو اور سفلی عملیات" پر شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں جادو سیکھنے اور سکھانے کو گناہ بتلایا گیا ہے۔ رئیس امروہوی صاحب کسی کو جادو نہیں سکھلا رہے۔ چند واقعات اور کیفیات کو بیان کر رہے ہیں۔ جو بہت سے لوگوں کے تجربے میں آئی ہیں۔ مسلمانوں کو جنوں اور فرشتوں کے حالات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ سورۂ جن میں آدمیوں اور جنوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ:

تم (انسان اور جن) اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو ٹھکراؤ گے"؟

یا "ہم نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" خود میرے علم میں جنّات کے بہت سے واقعات ہیں۔ مولانا ابوبکر محمد شیث مرحوم ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے کون واقف نہیں (پروفیسر رشید احمد صدیقی نے مرحوم پر جو مضمون لکھا ہے۔ وہ پڑھنے کی چیز ہے) آپ کا محلہ قضیانہ جون پور میں تھا۔ اس مکان میں جن رہتے تھے۔ انہوں نے یہ حالت کر رکھی تھی کہ مولانا کی شیروانی کھونٹی پر لٹک رہی ہے۔ یکایک دیکھا کہ شیروانی خود بخود کھونٹی کے اندر گھسی چلی جا رہی ہے۔ ہم سب بچے یہ تماشا دیکھ کر ڈر گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ بچوں کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔ بس کرو، مولانا کے فرماتے ہی یہ تماشا ختم ہوگیا، یا کسی دن رسا دل (گنے کے رس میں چاول) پک رہا ہے۔ دیگچی اتاری تو اس میں دیکھا کہ کیڑے بج بج کر رہے ہیں۔ کبھی چائے کے برتن خود بخود لوٹ جاتے۔ کبھی روشنی گل ہو جاتی۔ سب لوگ سو رہے ہیں اور چھت پر سے سینکڑوں لوگوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں چلی آ رہی ہیں۔ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں مشہور خانقاہ ہے جس کے پھاٹک کے بالاخانے پر اردو زبان کے مشہور استاد "ناسخ" رہتے تھے۔ وہی

ناسخ سے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

حضرت شاہ غلام اعظم انہیں استاذ ناسخ کے شاگرد اور جیّد عالم تھے۔ قرآن و حدیث کا درس بھی دیتے تھے مشہور ہے کہ ان کے حلقۂ درس میں جن بھی شریک ہوتے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ طلبہ گفتگو کر رہے تھے کہ اس وقت قندھار کے انار اور کشمیر کے سیب کھانے کو مل جاتے تو مزہ آجاتا۔ ایک طالب علم مولا بخش نامی بھی استاذ ناسخ کے شاگرد حضرت شاہ غلام اعظم کے شاگردوں میں شامل تھا۔ اس نے طلبہ کی یہ گفتگو سن کر ہاتھ بلند کیا اور آن کی آن میں قندھار کے انار اور کشمیر کے سیب لاکر رکھدیئے۔ لڑکے یہ دیکھ کر مارے خوف کے چیخ پڑے۔ حضرت شاہ غلام اعظم کو اس واقعے کا علم ہوا تو ڈانٹ کر مولا بخش سے کہا کہ کل سے درس میں نہ آنا۔ بچوں کے سامنے ایسی حرکتیں کرتے ہو، یہ واقعہ تو پرانے زمانے کا ہے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ خانقاہ کے صحن میں بیٹھے ہیں اور چھت سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن خوانی کی آواز چلی آرہی ہے۔ عبّاسی صاحب نے جنات کے جو واقعات نقل کئے ہیں وہ بہت سے حضرات کے تجربے میں آئے ہیں۔ ہم نے اپنے خاندانی بزرگوں اباجی۔ سید نفیس حسن، تایا سید انیس حسن، تایا سید وحید حسن۔ والد ماجد علاّمہ سید شفیق حسن مرحومین۔ چچا سیّد غنی حسن مرحوم۔ نانا سیّد جرّار حسن مرحوم اور دوسرے حضرات سے جنات کے بے شمار واقعے سنے ہیں۔ مجھے تو ان راویوں کی شہادت پر شبہ نہیں۔ آپ کو حق ہے کہ ان بیانات کو تسلیم کریں یا نہ کریں۔ جہاں تک حضرت شاہ غلام اعظم اور مولا بخش جن کے واقعے کا تعلق ہے تو یہ واقعہ طرح طرح سے سننے میں آیا ہے۔ جوش ملیح آبادی کی زبان سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ سنا گیا ہے۔ وہ خود اسکے چشم دید راوی ہیں۔ دیوان سنگھ مفتون نے بھی "ناقابل فراموش" (آپ بیتی) میں اپنا اسی قسم کا تجربہ بیان کیا ہے۔

اَب تک آپ نے جِنّ اور جِنّات کے کرشموں، کارفرمائیوں اور شعبدہ بازیوں کے بارے میں مختلف افراد کے مختصر سے بیانات سُنے بہتر یہ ہے کہ ہم کسی جِنّ گرفتہ (آسیب زدہ) لڑکی کے مُفصّل خود نوشت تجربات پڑھیں۔ شمیم صدیقی (اپنے خط مورخہ ۵ رجولائی ۱۹۷۳) میں لکھتی ہیں کہ (اس لڑکی نے اپنے جِنّاتی تاثرات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے)

جِنّاتی تاثرات

ہمارا گھر تین منزلہ ہے۔ مَیں اور باجی درمیانی منزل میں رہتے تھے۔ اُوپر کا حصّہ خالی پڑا رہتا یا مہمانوں کے مصرف میں آتا۔ گرمیوں میں باجی اور مَیں اُوپر سونے لگے، رات گئے تک نیند نہ آتی اور ہم دونوں ہنستے بولتے رہتے۔ قِصّے کہانیوں میں لگے رہتے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ جب ہم نے سونے کے ارادے سے آنکھیں بند کیں تو مُجھے اپنے پاؤں کی طرف بے انتہا وزن محسوس ہُوا۔ رفتہ رفتہ یہ وزنی چیز پُورے جسم پر چھا گئی اور اس نے مجھے اس طرح بے تحاشا مارنا شروع کیا کہ میرے دانت آپس میں ٹکرانے لگے اور سارا جسم لرزنے لگا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ ہلنے جُلنے کی طاقت مفقود ہو گئی ہے۔ بدن شل ہے۔ نہ ہل سکتی تھی نہ کلمہ پڑھ سکتی تھی بمشکل سے عہد نامہ (نہ جانے عہد نامہ سے اس لڑکی کی کیا مُراد ہے) پڑھ سکی اور اس کی برکت سے یہ بلا دُور ہُوئی۔ جب ذرا ہوش آیا تو مَیں نے باجی کو آواز دی وہ جاگ رہی تھیں۔ پُوچھا کیا بات ہے؟ مَیں نے کہا۔ ڈر لگ رہا ہے۔ کہنے لگیں یہی حال میرا ہے۔ پھر ہم لوگ ہمّت کر کے نیچے کی منزل میں آگئے۔ ایک بات عرض کر دوں بہت ہی ڈھیٹ واقع ہُوئی ہُوں، بہت کم ڈرتی ہُوں۔ رسالوں میں پُر اسرار کہانیاں پڑھ کر کبھی خوفزدہ نہیں ہُوئی۔ خیر وہ باقی رات امن سے گزر گئی۔ صبح کو آنکھ کُھلی تو ڈر کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ تمام سہیلیوں کو یہ قِصّہ مزے لے لے کر سُنایا اور ان کی گھبراہٹ کا لُطف اُٹھایا۔ البتہ دُوسری رات اُس جگہ سونے پر تیار نہ تھی۔ کیونکہ اُس رات اِتنی غیبی مار کھائی تھی کہ اس کا تصوّر بھی

تکلیف دِہ تھا۔ جب مَیں نے اُوپر سونے سے انکار کیا تو اَمّی نے خُوب ڈانٹ پلائی۔ کہا کہ نہیں تمھیں اُوپر ہی سونا پڑے گا۔ یہ سب وہم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ مَیں نے کہا تو پھر اَمّی! آپ کو بھی میرے ہی ساتھ سونا چاہیے۔ خیر ہم اُوپر جا کر لیٹ گئے، مگر نیند کا کوسوں پتا نہ تھا۔ باجی بھی جاگ رہی تھیں اور ڈر رہی تھیں۔ یکایک مجھے اپنا بدن بھر شل ہوتے ہُوئے محسوس ہونے لگا۔ بہ مشکل تمام اَمّی کو اُٹھایا۔ اُف یہ اَمّی کا چہرہ تھا۔ اس قدر ڈراؤنا اور اس درجہ بھیانک کہ میری چیخ نکل گئی۔ (مگر کیا یہ اَمّی کا چہرہ تھا؟) مَیں ان سے لپٹ گئی۔ میں نے کہا کہ خُدارا۔ اَمّی آپ مجھے نیچے لے چلیں مَیں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی۔ تیر صاحب! اَمّی سہارا دے کر نیچے لائیں۔ سب گھر والے گھبرا کر اُٹھ گئے۔ غرض پُوری رات اِس خوف و اضطراب میں گزر گئی۔ سُورج نکلا تو اور بھی حالت خراب ہو گئی۔ مگر مَیں نے اپنی خرابئ صحت کا ذکر اَمّی سے نہیں کیا۔ خفا جو ہونے لگتیں۔ مگر نجانے خود اَمّی کو کیا ہُوا؟ چیخ مار کر رونے لگیں۔ اس کے بعد مجھے ایسا لگا کہ کوئی نادیدہ ہاتھ میری پشت سے جسم میں داخل ہو کر دِل کے قریب کلیجہ نکال رہا ہے۔ بیان نہیں کر سکتی کہ اس احساس سے کتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ اَب بہن کی حالت بھی خراب ہونے لگی۔ ان پر بھی شدید اضطراب طاری ہو گیا۔ لیکن سب سے زیادہ کرب و تکلیف میرے چہرے سے نمایاں تھی۔ چاہتی تھی کہ مجھے کوئی پیٹھ کی طرف سے پکڑ لے، کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ اَمّی نے جو یہ حال دیکھا تو پڑوس کی ایک عورت کے ساتھ کسی مولوی صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اُنھوں نے گلے میں ڈالنے کے لیے تعویذ دیا اور فرمایا کہ "جنّات" کا اثر ہے۔ ہدایت کی کہ کبھی کھُلی جگہ غسل نہ کرنا اور غسل خانے میں بھی کپڑوں سمیت نہانا۔ گھر آ کر مَیں نے تعویذ گلے میں ڈال لیا۔ مگر کس قیامت کا تھا وہ جِنّ کہ اس تعویذ سے بھی اس کا بال بیکا نہ ہُوا۔ یہ عرض کر دوں کہ بھائی کے علاوہ ہم سب نہایت پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ مَیں روزانہ تلاوتِ کلام مجید کرتی اور یٰسین شریف پڑھتی۔ ان کے اثرات بھی ظاہر نہ ہوتے۔ ایک رات تو ایسا ہُوا کہ ہم سوتے

وقت سے صبح تک بیٹھے قرآن شریف پڑھتے رہے۔ مگر خوف میں کمی نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ ریحانہ نامی ایک عورت نے امّی کو پڑھی ہوئی سونف دی اور کہا کہ اسے رات کو ٹھیک بارہ بجے گٹر میں ڈال دیں۔ سلطانہ یعنی میری بڑی بہن کی شادی بہت جلد ہو جائے گی۔ امّی بہت سیدھی ہیں۔ اُنھوں نے وہی کیا جو ریحانہ نے کہا تھا، دوسرے روز ایسا ہوا کہ بہن نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زمین پر گر کر لوٹنے لگیں۔ پھر بے تحاشا چیخیں مار کر رونے لگیں۔ کئی روز تک یہ دورہ قائم رہا۔ آخر ایک مردِ بزرگ کی طرف رجوع کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ یہ سفلی عمل ہے اور اس کے نتائج یہی ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے باجی سے کہا کہ بی بی! تم اس طریقے سے یٰسین شریف پڑھا کرو۔ اِنشاء اللہ جنّاتی اثرات دُور ہو جائیں گے۔ باجی اس عمل سے آخر کار ٹھیک ہو گئیں۔ اب مَیں پھر اپنے قصّے کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میری خوف زدگی کی کیفیت وہی تھی۔ ایک رات مَیں لیٹی تھی اور عالمِ ہوش میں تھی۔ پڑوس میں جو لڑائی جھگڑا ہو رہا تھا اس کا شور بخوبی سُن رہی تھی۔ یکایک مَیں نے دیکھا (یعنی محسوس کیا بستر پر لیٹے لیٹے) کہ مَیں گھر کے دروازے سے باہر نکل رہی ہوں اور اس وقت ہماری بیٹھک سے (جو کہ باہر کے دروازے سے متصل ہے) ایک بے انتہا لمبا شخص برآمد ہوا۔ سیاہ رنگ چمک دار، بڑی بڑی سُرخ آنکھیں سفید لٹھے کی دھوتی لیکن میلی۔ سر پر صافہ، گلے میں تعویذ، بنیان کے طرز کی واسکٹ اور ہاتھ میں حد درجہ چمک دار چھُری، مَیں نے دیکھا کہ یہ شخص ابّا جان کو ننگی ننگی گندی گندی گالیاں دے رہا ہے۔ ہمارے گھر کے سامنے مندر ہے۔ اس کے ساتھ سرس کا درخت کھڑا ہے مگر اس ہیبت ناک شخص نے اِتنی ہیبت ناک چیخ ماری کہ میرے کان کے پردے پھٹ گئے۔ مَیں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ دونوں ہاتھ کانوں پر ہیں اور مَیں تھر تھر کانپ رہی ہوں (گویا شمیم صدیقی۔ اس داستان کی راوی بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹی اور جاگ رہی تھیں کہ یہ سارا منظر نگاہ کے سامنے سے گزرا) یہ ایک طویل داستان ہے۔ اس داستان کو دہرانے کے لیے میری رُوح بے قرار تھی۔ لیکن مَیں رئیس صاحب! مارے ڈر کے اس

کہانی کو دہرانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن آج چاہے کچھ ہو جائے میں اس کہانی کو اوّل سے آخر تک سُنا کر رہوں گی۔ ہمارے مکان کے سامنے سرس کا جو درخت ہے۔ اس کے سائے میں محلّے کے بچّے اور دوپہر کو تمام بھنگنیں بیٹھتی ہیں۔ ہمارا نوکر بھی وہیں پلنگ ڈال کر بیٹھتا ہے۔ اس وقت بھی پلنگ وہیں پڑا تھا۔ اور چند بچّے اس درخت پر چڑھ کر لنگر ڈال رہے تھے۔ پڑوس کا چھوٹا بچّہ (جو ہمارے گھر کا پلا ہُوا تھا) بھاگا بھاگا آیا اور ابا جان سے کہنے لگا کہ باباجان پلنگ پر بچّے چڑھے ہُوئے ہیں۔ آپ چلیے اور اُنھیں اُٹھا دیجئے (یہ پلنگ نوکر کا تھا اور وہ اس وقت برف لینے گیا تھا) سب نے کہا کہ بچّوں کو کھیلنے دو۔ لیکن پڑوس والے بچّے نے ضد کی اور مجبور ہو کر ابا جان کو جانا پڑا۔ اس وقت دوپہر کے ٹھیک بارہ بجے تھے بلکہ ٹھیکم ٹھیک دوپہر۔ ابّا اور پپّو (وہی پڑوس کا لڑکا) وہیں بیٹھ گئے۔ یکایک اس قدر زور کا دھماکہ ہُوا کہ خُدا کی پناہ۔ سارا محلّہ لرز گیا۔ تمام عورتیں اور مرد روتے پیٹتے گھر سے نکلے کہ ہٹئے! بابا کی خیر نہیں۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ گھبرا کر کھڑکی میں سے جھانکا تو عجیب نظارہ سامنے تھا۔ وہ پہاڑ سا پیڑ زمین پر گرا پڑا تھا۔ بجلی کے تار ٹوٹ گئے تھے۔ راستہ بند ہو گیا تھا۔ سب نے کہا کہ ابّا جان، پپّو اور ہمارا گائے کا بچّہ سب اسی پیڑ کے نیچے دب گئے ہیں۔ لوگ کلہاڑیاں لے کر دوڑے۔ درخت کی شاخوں کو کاٹ کر راستہ بنایا۔ خُدا کا شکر ہے کہ ابّا ابھی سلامت تھے۔ پپّو بھی سب کے معمُولی خراشیں آئی تھیں۔ ہاں گائے کے بچّے کی حالت نازک تھی۔ جو دیکھتا حیرت کرتا۔ سب مبارکباد دیتے۔ حیرانی یہ ہے کہ اتنا بڑا تناور اور چھتادر درخت یکایک کیسے گر گیا؟ نہ آندھی نہ زلزلہ نہ طوفان اور درخت کا یہ حادثہ؟ عجیب بات یہ کہ درخت درمیان میں سے کٹ کر گرا تھا جڑ اور کچھ حصّہ اپنے مقام پر قائم تھا۔ سب نے کہا اسے بھی گرا دیا جائے ورنہ نقصان پہنچائے گا۔ لیجئے رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ حصّہ بھی خود بخود زمین بوس ہو گیا (جیسے کسی نامحسوس زلزلے نے اسے اکھاڑ پھینکا ہو) رات کو درخت گرنے سے پہلے کسی نے بڑی طاقت کے ساتھ میری چارپائی کو ہلایا۔ اور یہی حادثہ ہماری پڑوسن کے ساتھ پیش

یا جس کے بچے کو ہم نے پالا تھا۔ وہ ڈر کے مارے اُٹھ کر ٹہلنے لگی ۔ میں اور باجی وضو کر کے
سل خانے سے آ رہے تھے کہ میں نے دیکھا کہ پلنگ (جو چھت پر پڑا تھا) خود بخود ہوا میں
ڑتا چلا آ رہا ہے۔ حیرت!! میں اور باجی دونوں اس پلنگ کی زد میں تھے (یعنی ہمارے
ر پر گرتا) ہم دونوں بھاگے اور پلنگ دھماکے کے ساتھ زمین سے ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے
لیا۔ اگر ہم دونوں نہ بھاگتے تو پلنگ ہمارے سروں پر گرتا اور گردن ٹوٹ جاتی۔ اَب حادثات
طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ نادیدہ ہستیوں یا جنوں نے تباہ کُن شرارتیں شروع کر دی تھیں۔

تباہ کُن شرارتیں

دو چار روز گزرے تھے کہ بڑے بھائی جس ٹیکسی میں جا رہے تھے۔ وہ گہرے کھڈ
ں گر پڑی۔ اس کھڈ میں پانی بھرا ہُوا تھا۔ بھائی جان کی جان تو (اللہ کا لاکھ شکر ہے)
ئی البتہ چوٹیں آئیں۔ جب کہ ان کے ساتھ بیٹھے ہُوئے ایک پولیس کانسٹیبل کی ٹانگ
ٹ گئی اور ٹیکسی چلانے والے کے دماغ کی کوئی نس پھٹ گئی۔ بے چارہ کئی روز اسپتال میں
رہا۔ چھوٹے بھائی حادثے کی خبر سُن کر کراچی سے آئے تو یہ تشویش ناک خبر لائے کہ میرا
سکوٹر اُلٹ گیا تھا اور میں سڑک کے بجائے میدان میں جا گرا تھا۔ اِس لیے بچ گیا۔ یہ
اک حادثات اور حیرت ناک جانبری! ہم خُدا کا شکر بھی ادا کرتے تھے اور ستم ظریف
ت کا شکوہ بھی! اَب صُورتِ حال میں ایک اور تبدیلی رُونما ہُوئی۔ یہ کہ اگرچہ میں ہر رات
، زدہ رہتی تھی۔ لیکن شبِ جُمعہ میں یہ محسوس ہوتا کہ کوئی وزنی چیز آکر سوار ہو گئی ہے اور اپنے
سے مجھے کچلے ڈالتی ہے۔ پھر اوقات میں تبدیلی ہو گئی اَب یہ صورت (جسم پر بوجھ محسوس
) بُدھ کی رات میں رُونما ہونے لگی۔ کبھی کبھی ایسا لگتا کہ کوئی بھاری بھرکم بلّی میرے اُوپر
ی۔ کسی نے شانے پر دونوں ہاتھوں سے گھونسے مارے۔ میں سمجھی باجی مذاق کر رہی ہیں۔
کہ وہ سو رہی ہیں۔ کھانے پینے سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ ہر غذائی چیز سے نفرت۔ گوشت

کھا رہی ہوں اور اچار ۔گون آنے ہیں۔ چھلی پہلے بڑے شوق سے کھاتی تھی اب وہ میری
چڑ بن گئی۔ مہینے میں ایک دو روز تو کھانا مطلقاً حرام تھا۔ خشک چیزیں (مثلاً چنے) مجبوراً
نگل لیتی تھی لیکن کب تک ؟ پھل، دودھ، گھی غرض ہر خوراک سے نفرت سی ہوگئی تھی۔
بے تنک چائے ضرور پیتی تھی۔ اس کے بعد یہ شکایت پیدا ہوئی کہ جو چیز کھاتی اسے معدہ
قبول نہ کرتا۔ متلی ہوتی، ابکائیاں آتیں اور قے آجاتی۔ کافی علاج کرایا مگر کوئی فائدہ
نہ ہوا۔ رات بھر اس قدر گرمی لگتی جیسے انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔ بار بار اُٹھ کر ٹھنڈا
پانی پیتی اور ٹھنڈا پانی سر پر ڈالتی اور پنکھے کے نیچے لیٹ جاتی۔ الغرض مسلسل حالت بگڑتی
چلی گئی۔ بخار پیچھا نہ چھوڑتا۔ سر درد کے دَورے تو پڑتے ہی تھے معدے میں بھی شدید درد
رہنے لگا۔ پھر ہم کچھ دن کے لیے کراچی آئے تو کرنیل گنج کانپور کے ایک بزرگ (جو چند مہینے
کے لیے کراچی آیا کرتے ہیں) کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اُنھوں نے ایک تعویذ دیا۔
بازو پر باندھا۔ اس سے معدے کی تکلیف ختم ہوگئی۔ پھر ہم لاڑکانے چلے گئے۔ ایک دن
جب میں دوپہر کے وقت آنکھیں بند کیے لیٹی تھی تو بند آنکھوں نے یہ دیکھا کہ ایک سپیرا
کہیں سے آیا اور کہنے لگا کہ :

شمیم ! میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا

میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور امی کو آواز دے کر اپنے پاس بلالیا۔ یہ سلسلہ
کئی روز تک چلتا رہا۔ پہلے وہ (سپیرا) اکیلا ہوتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی
آنے لگے۔ اب تو میری حالت اور خراب ہوگئی۔ گھر والے بھی پریشان تھے۔ امی نے کچھ
دعائیں پڑھیں اور کہا کہ اگر سپیرے کے واقعے میں کوئی صداقت ہے تو مجھے خواب
میں بتا دیا جائے۔ یہ کہہ کر سوگئیں۔ خواب میں دیکھا کہ ایک سپیرا آیا ہے اور کہہ رہا ہے
کہ میں شمیم کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ خواہ تم کچھ کر لو۔ خوف و دہشت
سے امی کی آنکھ کھل گئی۔ بڑے بھائی لاہور میں تھے، چھوٹے کراچی میں۔ اُنھوں نے چھوٹے

بھائی کو کراچی خط لکھ کر تمام صورتِ حال سے مطلع کیا۔ چھوٹے بھائی نے چند سفلی عالموں سے رجوع کیا۔ انھوں نے کہا کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ رئیس صاحب! ہم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور راضی برضا ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد وہ پیپرا تو کبھی نظر نہیں آیا۔ البتّہ خوف کی شکایت بدستور رہی (یعنی ہر وقت ڈر لگے جا رہا ہے) ہمیں اب تک کسی سفلی عمل کا گمان نہ تھا۔ بلکہ خوف و دہشت کی اس کیفیّت کو نفسیاتی مرض سمجھ رہے تھے۔

نورانی شاہ

جب لاڑکانے میں ہنگامے شروع ہوئے تو ہم لوگ کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں بھی ان بلاؤں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ سب لوگ کہتے کہ میں بیمار ہوں (چہرے سے ایسا ہی لگتا تھا) لیکن ڈاکٹر کہتے تھے کہ کوئی بیماری نہیں۔ صرف وہم ہے۔ کبھی میں محفلوں کی جان تھی۔ نہایت زندہ دِل۔ طبّاع۔ خوش مذاق۔ ہماری سہیلیاں سمجھتی تھیں کہ میں بے حد مطمئن زندگی بسر کر رہی ہوں۔ لیکن انھیں کیا معلوم کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟ سلیقہ مندی اور صفائی میں ہم دونوں بہنوں کی مثال دی جایا کرتی تھی۔ سب امّی کو مبارکباد دیتیں کہ آپ کی لڑکیاں واقعی ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہیں۔ لیکن اب یہ قابلِ قدر لڑکیاں "تصویرِ عبرت" بن کر رہ گئی تھیں۔ (یہاں سے شمیم کا خط دوبارہ شروع ہوتا ہے لکھتی ہیں کہ:) رئیس صاحب! یہ خط آٹھ روز کے بعد دوبارہ شروع کر رہی ہوں۔ اب مزید حالات سُنیئے۔ ہاں جب کراچی آنے کے بعد حالات اور بگڑنے لگے تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تین ہٹی پر نورانی شاہ کا مزار ہے۔ شمیم کو وہاں لے جاؤ۔ نیاز دلاؤ، ان سے روحانی امداد طلب کرو وہ بشارت دیتے ہیں اور سب کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ میں نے اس مشورے پر کوئی توجّہ نہ دی۔ تین ہٹی سے بارہا گزری ہوں۔ لیکن کبھی اس طرف قدم نہیں اٹھے۔ تین ہٹی پر میری ایک سہیلی بھی رہتی ہے۔ پھر ایک روز باجی کی ایک دوست مل گئیں۔ شہناز نام۔ اس کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی (یعنی

اس پر بھی کوئی اثر تھا) آخر شہناز کو پھول والے بابا کے پاس لے گئے۔ پھول والے با
نے تعویذ دے کر شہناز کو مشورہ دیا کہ تم نورانی شاہ کے مزار پر جاؤ۔ شہناز کو نورانی شہ
کے مزار پر لے جایا گیا۔ وہاں جا کر شہناز کی حالت غیر ہو گئی۔ کھیلنے لگی۔ اس نے کہا کہ میرا
"ربانی" ہے۔ میں مکان چاہتا ہوں مکان! غرض تین گھنٹے تک شہناز کا یہی جناتی دَور
جاری رہا۔ قصہ مختصر شہناز کے مشورے سے ہم بھی نورانی میاں کے مزار پر گئے۔ وہاں
مزار کی جالی پکڑ کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ تو خیر میں جمعرات کو نورانی میاں کے مزار پر گئی اور جالی
پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ایسا لگا کہ بجلی کا کرنٹ لگ گیا۔ عجیب سی حالت ہو گئی۔ وہاں ایک صاحبہ
آتی ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان پر نورانی شاہ تشریف لاتے ہیں۔ وہ مجھے گھور گھور کر دیکھنے
لگیں۔ پھر کہا کہ تم پر "جنات" کا اثر ہے۔ تمھاری آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے۔ باجی سے کہا کہ
تم پر جادو کرایا گیا ہے۔ ہمیں کچھ یقین آیا، کچھ نہ آیا۔ امی کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ تم اس عورت کے چکر میں
نہ پڑو، البتہ مزار پر جاتی رہو۔ ایک روز شب جمعہ میں تو میری مصیبت آ گئی۔ سوئے تو دیکھا کہ
عجیب سی جگہ ہے۔ اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ دو عورتیں بیٹھی جھوم رہی ہیں پھر ایک سایہ نما وجود
زمین پر لیٹا نظر آیا۔ اتنا لمبا چوڑا کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اس کے جسم پر (اگر اسے جسم کہا جائے
بال تھے۔ سائے کی شکل مجھے نظر نہ آتی۔ اب جو دیکھا تو وہ دونوں عورتیں جو بیٹھی جھوم رہی تھیں
نظر سے اوجھل ہو گئی ہیں۔ پھر وہی سایہ جو زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھ پر چھاتا چلا گیا۔ اتنی تکلیف
ہوئی۔ بدن میں اتنے کانٹے چبھے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ میں نے بیقرار ہو کر آنکھیں کھول دیں
اس کے بعد بھی پاؤں کے تلوؤں اور جسم میں کانٹے چبھنے کا احساس ہوتا رہا۔ بیداری
میں بھی اپنے پر اس قدر وزن محسوس ہو رہا تھا کہ بیان نہیں کر سکتی۔ پھر نہیں معلوم کس طرح
نیند آ گئی۔ دیکھا کہ بے تحاشا ڈانس کر رہی ہوں اور کہیں سے گانے کی آواز آ رہی ہے۔ کو
یہ گیت گا رہا ہے کہ :

جانِ من! اِک نظر تو اِدھر دیکھ لے
جانِ من! تو اِدھر اک نظر دیکھ لے

اِس سے پہلے بھی ایک مرتبہ اس گیت کی آواز میرے کان میں آئی تھی۔ میں نے پُوچھا۔ کسی نے ریڈیو کھولا ہے یا پڑوس میں کوئی گا رہا ہے تو سب نے انکار کیا۔ (یہ سب خواب میں دیکھ رہی ہُوں) جی ہاں! وہی گیت جاری تھا اور وہی رقص۔ اور رقص بھی اس قدر بے غیرتی کے ساتھ کہ خُدا کی پناہ! ایک اجنبی مرد دا ہنی طرف ہے اور دُوسرا بائیں طرف۔ اور میں دونوں کے درمیان رقصِ گُناہ کر رہی ہُوں۔ میں نے دوپٹہ سر سے اُتار لیا اور یہ تصوّر کرنے لگی کہ "ریحانہ" ہُوں۔ بالکل اِسی طرح کی فراک پہنے ہُوئے۔ جیسی ریحانہ پہنتی ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ تُم شمیم نہیں ہو۔ ریحانہ ہو۔ صبح تک عالمِ خواب میں یہی رقصِ مستانہ جاری رہا۔ صبح اُٹھ کر امّی اور آپا جی کو بتایا اور جو تکلیف مجھ پر گُزری تھی۔ اِس کی تفصیل بیان کی۔ ماں باپ کس قدر پریشان ہُوئے ہوں گے۔ آپ خُود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں نے عاجز آکر درگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ:

بارِ الٰہا! مجھے اس رُوحانی عذاب سے نجات دے۔ اور مجھ پر جو اثر بھی ہے اِسے ظاہر کردے!

شام کے وقت پھر حضرت نُورانی شاہ کے مزار پر حاضر ہُوئی۔ تو اچانک گردن کو جھٹکے لگنے لگے۔ میں نے گردن کو قائم رکھنے کی بے حد کوشش کی اس خیال سے کہ شاید نفسیاتی اثر سے گردن خود بخود ہلنے لگی ہے۔ لیکن گردن برابر کسی خود کار کھلونے کی طرح اِدھر اُدھر ہل رہی تھی آنکھیں بند تھیں۔ سب کی گفتگو سُن رہی تھی۔ مگر نہ ہل جُل سکتی تھی نہ بول سکتی تھی۔ سر بے انتہا بھاری ہو رہا تھا۔ باجی کی سہیلی نے پُوچھا کہ آپ کون ہیں۔ بتائیں۔ لیکن میں کیا بتاتی؟ کچھ دیر بعد یہ حالت رفع ہوگئی۔ وہیں ایک صاحبہ آتی ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ جونا مارکیٹ میں میراں سید علی شاہ کا مزار ہے۔ اس مزار پر جاؤ۔ تمھارے سر پر جو جِنّ مسلّط ہے۔ وہ خود بول اُٹھے گا اور نام و نشان بتا دے گا۔ پھر ہم نے یہ معمول بنایا کہ جمعرات کو نُورانی میاں کے مزار پر جاتے تھے اور جمعہ کو میراں سید علی شاہ کے مزار پر، دُوسری جمعرات کو میں نُورانی شاہ کے مزار پر بے انتہا کھیلی

یہاں تک کہ بے حال ہوگئی۔ اِسی عالم میں کسی عورت کا پاؤں میرے جسم سے لگ گیا۔ پاؤں کا لگنا غضب ہُوا۔ جنون جو طاری ہُوا مجھ پر تو اُس عورت کو بے تحاشا پیٹنے لگی۔ خود بخود میری زبان سے نکلا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ۔ مَیں اسے جان سے مار دوں گا۔ گلا دبا دُوں گا۔

مَیں برابر انہی فقروں کو دہرائے جا رہی تھی۔ جو بھی سامنے آتا اُس پر حملہ کر بیٹھتی۔ حاضری کے درمیان چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ جالیوں سے سر ٹکرا رہی تھی۔ شام کے چھ سے رات کے ... بج گئے۔ سلام بھی ختم ہو گیا۔ مگر مَیں اپنی اصلی حالت پر نہ آئی۔ پھر مجھے قے آئی جو ناما رکیٹ والی صاحبہ نے پُوچھا کہ:

کیا اُس وقت تک حال کھیلے گا۔ جب تک قوالی نہ ہوگی۔

مَیں نے اقرار میں سر ہلایا۔ نڈھال ہو کر فرش پر گر گئی اور انھیں خاتُون کی گود میں کھیلنا شروع کر دیا۔ الغرض عجیب تماشا تھا یہاں تک کہ قوال آگئے۔ ڈھولک پر تھاپ پڑی تو مجھے ہوش آگیا۔ البتّہ اَب دُوسری عورتیں تڑپنے لگیں۔ دُوسرے روز جمعے کا دن تھا۔ ہم میراں سید علی شاہ کے مزار پر گئے۔ وہاں پر ایک چکّی لگی ہُوئی ہے۔ مریضوں یا جنّ گرفتہ اور آسیب زدہ لوگوں کو اُس چکّی کے گرد گھمایا جاتا ہے۔ اگر واقعی وہ کسی جنّ کے زیرِ اثر ہوتا ہے تو اس کا داہنا ہاتھ چکّی سے چپک جاتا ہے۔ اس پر بے خودی طاری ہو جاتی ہے اور پھر وہ سب کچھ بتانے لگتا ہے۔ مَیں اور شہناز دونوں اس چکّی کے گرد گھُومنے لگے۔ ہم دونوں گھُوم رہے تھے کہ میری سہیلی شہناز یکایک نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگئی۔ اور مَیں بڑی تیزی سے لٹّو کی طرح گھُومنے لگی۔ شہناز کہیں نظر نہ آئی اَب مَیں سچ مچ گھبرا گئی۔ دِل کہہ رہا تھا کہ خُدا کے لیے یہاں سے بھاگ چل مَیں نے بار بار باجی اور ان کی سہیلی سے پُوچھا کہ مَیں چکّی کو چھوڑ دوں (میرا داہنا ہاتھ چکّی سے چپک گیا تھا) مگر اُنھوں نے منع کیا۔ باجی نے بعد کو بتایا کہ اس وقت میری آنکھیں خُونِ کبُوتر کی طرح لال تھیں اور مَیں چکّی کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی مگر پھر آ کر چکّی سے چپک گئی۔ اور پیچھے

کی طرف گئی۔ میری بتیسی بند ہوگئی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں ؟ مگر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سُن سب کچھ رہی تھی۔ بس بولنے چالنے کی قوت سلب ہوگئی تھی۔ اور مسلسل اس شدت سے گھورے جا رہی تھی۔ جیسے آنکھیں حلقۂ چشم سے باہر نکل پڑیں گی۔ خیر کچھ دیر بعد اوسان بحال ہوگئے۔ میں نے باجی سے کہا آپ بھی تو جِنّی کو داہنا ہاتھ لگائیں۔ آپ بھی تو سحر زدہ ہیں۔ انھوں نے جیسے ہی جِنّی کو ہاتھ لگایا۔ وہ چیک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگیں۔ ہائے ہائے کر رہی تھیں۔ مسلسل چیخیں مار رہی تھیں۔ رو رہی تھیں اور خود ہی کہہ رہی تھیں کہ ہائے میراں شاہ خدا کے لیے مجھے اتنی مار نہ لگائیے۔ چھوڑ دیجئے۔ سب کچھ بتا دوں گا۔ پھر آپ ہی آپ کہا باجی نے کہ ہاں ! میں نے اس معصوم لڑکی کی شادی نہیں ہونے دی۔ میں نے رشتے بگاڑ دیئے۔ مگر میراں شاہ ! میں سُلطانہ کو کیسے چھوڑ دوں ؟ مجھے سُلطانہ سے محبت ہے۔ میراں شاہ ! آپ تو محبت کی شدت اور لذت سے واقف ہیں۔ میراں شاہ، سُلطانہ جب حیدرآباد میں تھی۔ میں اس وقت سے اس پر عاشق ہوں۔ اس نے نہا کر نماز پڑھی اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ میں اس کے برابر اس کے بھائی کی شکل بنا کر جا لیٹا۔ میرا نام جاوید ہے (یہ سب باتیں باجی کی زبان سے ان کا جِنّ کہلوا رہا تھا) خُدا کی قسم۔ میراں شاہ ! مجھے مت ماریئے۔ برائے خُدا، چھوڑ دیجئے۔ میں اَب نہیں ستاؤں گا۔ اَب شادی ہونے دُوں گا (جو باتیں باجی کی زبان سے جاوید جِنّ کہلوا رہا تھا وہ بہت حد تک صحیح تھیں) میراں شاہ ! ریحانہ نے سُلطانہ کے لیے تعویذ کرائے۔ یہ تعویذ ریحانہ کا چھوٹا بھائی ریاض لے کر آیا تھا۔ ریاض بائیس دن رہا۔ اس نے گھر کے نوکر کو پانچ روپے دے کر تعویذ دروازے میں گڑوا دیئے۔ ریحانہ کا بھائی نواز، سُلطانہ کی تصویر دیکھ کر اس پر مرمٹا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ شادی کروں گا تو سُلطانہ ہی سے کروں گا۔ ورنہ خودکشی کر لوں گا۔ نواز اکثر اپنی بہن ریحانہ کو مارتا بھی ہے ان تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد اس سرگزشت (بصورت خط) کو قلم بند کرنے والی شمیم صدیقی لکھتی ہیں کہ :

رئیس صاحب! باجی کے جنّ (جو اپنا نام جاوید بتلاتا ہے) نے جو واقعات بتائے وہ صحیح ہیں۔ یقیناً ایک مرتبہ ریحانہ باجی کی رنگین تصویر چُرا کر لے گئی تھی۔ نواز اس تصویر کو دیکھ کر بُری طرح مبتلائے عشق ہوگیا تھا۔ یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ نواز اپنی بہن ریحانہ کو مارتا تھا۔ باجی برابر جاوید جنّ کی طرف سے بولے جا رہی تھی۔ آخر وہ خاموش ہوگئیں۔ مگر ان پر بے خودی کی سی کیفیت اَب بھی طاری تھی۔ کچھ توقف کے بعد کہنے لگیں کہ میراں شاہ! میں ریحانہ آگئی ہُوں۔ نواز مجھے مارتا ہے۔ نواز میرا بھائی مجھے مارتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ باجی۔ ریحانہ کی طرف سے یہ گفتگو پنجابی میں کر رہی تھیں۔ کہہ رہی تھیں کہ شادی اسّ کُڑی نال ہی کروں گا۔"

رئیس صاحب! کیا یہ بات عجیب نہیں کہ باجی کو پنجابی بالکل نہیں آتی۔ اس کے بعد وہ پھر چُپ ہوگئیں۔ پہلے وہ جاوید جنّ کی طرف سے بول رہی تھیں۔ پھر ریحانہ کی طرف سے (یا ریحانہ بن کر) پنجابی میں بولنے لگیں۔ پھر ایک وقفہ آیا۔ اور اَب پھر اُنھوں نے تقریر شروع کی بابا! میں حاضر ہوگیا۔ بابا میں سب کچھ بتا دُوں گا۔ میرا نام وحید ہے۔ بنگالی ہُوں۔ لاہور کی موچی گلی میں رہتا ہُوں۔ ریحانہ نے مجھے پانچ سو روپے دیئے تھے کہ ایسا تعویذ دے دُوں کہ یہ لڑکی اپنے گھر نہ رُک سکے۔ بھاگ کر آجائے۔ مگر میں کیا کروں؟ اس لڑکی کے اُوپر جنّ ہیں۔ اُنھوں نے میرا کام بگاڑ دیا۔ توبہ کرتا ہُوں۔ آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔ مجھے مُعاف کر دیجیے۔ مُعاف کر دیجیے۔ باجی زمین پر اوندھی پڑی تھیں اور ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔ چند منٹ توبہ تلا کرنے کے بعد وہ اُٹھ کر بے تحاشا بھاگیں۔ مزار کی طرف گئیں اور اس کی جالی پکڑ کر جھُومنے لگیں۔ سلام کے بعد ہوش آیا۔ مگر طبیعت پھر خراب ہونے لگی۔ بمشکل گھر لائے۔ یہاں آ کر کئی روز بستر پر پڑی رہی۔ دُوسرے جُمعے کو ہم (میں اور باجی) پھر میراں سید علی شاہ کے مزار پر حاضر ہُوئے۔ باجی مزار کی طاف گئیں۔ میں دُوسرے حجرے میں چلی گئی۔ وہیں میری حاضری ہوگئی (حاضری سے مطلب

بے خودی طاری ہو جانا) مسلسل تین گھنٹے اس قدر کھیلی کہ دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ میں سر کو روکنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ برابر ہلے جا رہا تھا اس شدت سے کہ خدا کی پناہ! پورے حجرے میں لوٹتی پھرتی تھی۔ باجی کی سہیلی نے پوچھا کہ:

آپ شمیم کو نہیں چھوڑیں گے!

یہ سن کر میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ دانت سختی سے بند ہو گئے (شمیم کی یہ کیفیت ہسٹریا سے کتنی مشابہت رکھتی ہے) بہرحال بڑی دیر کے بعد ہم گھر واپس لائے گئے۔ دو تین روز خیریت سے گزر گئے۔ پیر کے روز کا قصّہ ہے کہ میں روٹی پکا رہی تھی۔ اچانک گردن کو جھٹکے لگنے لگے۔ میں جلدی سے باورچی خانے سے باہر آئی۔ مگر جناتی دورے کی شدّت میں کمی نہ آئی۔ آخر لٹا دیا گیا۔ مزار سے جو پانی لائے تھے۔ وہ پلایا گیا۔ کچھ دیر کے بعد میں تڑپ کر اٹھی اور پلنگ پر ہی کھیلنے لگی۔ کھیلتے میں یہ محسوس ہوتا کہ بالوں سے شائیں شائیں کی آوازیں نکل رہی ہیں۔ پورے تین گھنٹے تک یہی حالت رہی۔ بار بار سجدے میں گر پڑتی اور کلمہ پڑھتی۔ حالت اتنی خراب ہوئی کہ بھائی بھی گھبرا گئے۔ طے یہ ہوا کہ کسی عامل (جن اتارنے والے کے) پاس چلنا چاہیے۔ کیونکہ فقط مزار پر جا کر حال کھیلنے سے کام نہیں چلا۔ آخر ایک عامل صاحب کا نام تجویز ہوا۔ پتہ چلا کہ وہ ہزارے چلے گئے ہیں اور کہیں جون تک آئیں گے۔ میری حالت اس قدر خراب تھی کہ جون تک انتظار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ایک پانی والے بابا کے پاس گئے۔ وہ بھی جنات کے ایکسپرٹ تھے۔ انھوں نے حال دیکھ کر کہا کہ جن وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اگر کوئی ثابت کر دے کہ جن کا اثر ہے تو میں دو ہزار روپے دوں گا۔

یہ سن کر بڑے بھائی خوش ہوئے۔ کیونکہ ریحانہ (جسے وہ رانی کہتے تھے) اس الزام سے بری ہو جاتی تھی کہ اس نے ہم پر کچھ کرایا ہے۔ چھوٹے بھیا نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ جن جادو کا قصّہ نہیں۔ محض نفسیاتی بیماری ہے۔ مگر "نفسیاتی بیماری" کہہ دینے

سے ہمارے مرض میں تو کوئی افاقہ ہُوا نہیں۔ وہی تکلیف تھی اور وہی حال! گھر کا ماحول بعض اوقات بے حد پُراسرار ہو جاتا تھا اور دونوں بھائی بھی اس پُراسراریت کو محسوس کرتے تھے۔ لیکن مُنہ سے اقرار نہ کرتے تھے۔ شہناز بیچاری بھی اسی جنّاتی مرض میں مُبتلا اور ایک پھُول والے بابا (افوہ کراچی میں کتنے بابا ہیں۔ کوئی پھُول والا کوئی پانی والا کوئی شلکے والا) کے زیرِ علاج تھی۔ ہم بھی اُن کے پاس گئے۔ پھُول والے بابا نے ہم پر نظر ڈالی اور چھُری لے کر کچھ پڑھنے لگے۔ مگر حاضری نہ ہُوئی (یعنی ہم پر حال طاری نہ ہُوا) تو فرمانے لگے کہ :

بھیجا ہُوا لگتا ہے!

(نہ جانے اِس فقرے سے ان کا کیا مطلب تھا) اُنھوں نے ایک گنڈا عنایت کیا۔ جونہی مَیں نے گھر آکر گنڈا گلے میں باندھا۔ سر کا پچھلا حصّہ من بھر کا ہو گیا اور حال کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مَیں نے ڈر کر گنڈا اُتار دیا۔ تو ذرا طبیعت سنبھلی۔ جُمعے کے روز پھر میراں سید علی شاہ کے مزار پر حاضری ہُوئی۔ ہاتھ فوراً چکّی سے چپک گیا اور مَیں پہیّے کی طرح چکّی کے گرد گھُومنے لگی۔ جس طرح بچّے لٹّو گھماتے ہیں۔ اس طرح کوئی پُراسرار قوّت چکّی کے گرد مجھے گھُما رہی تھی۔ میرے مُنہ سے ہیبت ناک چیخیں نکل رہی تھیں اور بار بار کہہ رہی تھی کہ :

ہائے مرگیا۔ ہائے مرگیا۔ چھوڑ دے ظالم چھوڑ دے۔ ارے سنگدل! میرا قصور مُعاف کر دے!

لوگوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر مزار کی جالی کے پاس بٹھا دیا۔ وہاں بھی کھیلتی رہی جھُومتی رہی۔ اگر کوئی مجھے روکنے کی کوشش کرتا تو مَیں اس کو ڈانٹتی کہ بھاگ جاؤ میرے قریب نہ آؤ۔ وہیں ایک صاحبہ موجُود تھیں جنھوں نے کہا کہ مَیں سیدانی ہُوں۔ انھوں نے مجُھ سے کہا کہ بتا تو کون ہے؟ تُو بچّی کو کیوں ستا رہا ہے؟ (شمیم لکھتی ہیں کہ مَیں نے یا میرے جِنّ نے سیدانی کو جواب دیا کہ) مَیں نہیں بتاؤں گا۔ مَیں نہیں چھوڑوں گا۔ ان سیدانی صاحبہ نے ضد کی کہ نہیں تجھے بتانا پڑے گا۔ تجھے چھوڑنا پڑے گا۔ اس پر مجھے

غصہ آگیا اور میں نے انھیں بُری طرح پیٹ ڈالا۔ پھر اچانک میری آواز مردوں کی طرح بھاری ہوگئی اور اول فول بکنا شروع کر دیا۔ دُوسرے جمعے کو مزار پر گئی تو میں نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔ پاؤں پٹخنے لگی۔ میری گردن کمر سے لگ گئی، اور چیخنے لگی کہ :

ارے ظالم ! میری گردن نہ توڑ۔ میری گردن ٹوٹ رہی ہے !

یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی میری گردن مروڑ رہا ہے اور وہ بیچ سے ٹوٹ جائے گی۔ میں فرش پر تڑپ رہی تھی۔ ایک خاتون نے میرے بال پکڑ لیے اور پُوچھا کہ تُو کون ہے؟ اپنا نام بتا۔ میں نے کہا کہ مجبُور نہ کرو، میں اپنا نام نہیں بتا سکتا۔ سوال کیا کہ تیرے ساتھ کتنی فوج ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ فوج نہیں ہے۔ میں اکیلا ہُوں۔ عصر کی اذان شروع ہُوئی تو میں نے پانچ سات بار کلمہ پڑھا۔ میں رو رہی تھی اور خُدا کو پکار رہی تھی۔ پھر چند لمحے بعد میں نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا کہ میری گردن ٹوٹ چکی ہے۔ چند لمحے کا مہمان ہُوں۔

دَورے کی علامات

خُدا حافظ۔ پھر میں بے ہوش ہو گئی۔ بے ہوشی چند لمحے طاری رہی۔ اس کے بعد ہوش و حواس بحال ہو گئے۔ سب نے کہا کہ نیاز دلاؤ، شمیم ہوش میں آگئی۔ چُنانچہ بہت سی مٹھائی منگوا کر نیاز دلوائی گئی۔ نیاز دلوانے کے تھوڑی دیر بعد ہی پھر سر بھاری ہونا شروع ہو گیا (جو علامت ہے جناتی دَورے کی) اس بار کمر پہ زبردست دباؤ محسوس ہُوا۔ بڑی سخت تکلیف تھی۔ مگر میں خاموشی کے ساتھ اس تکلیف کو سہ رہی تھی۔ آخر زمین پر گر گئی (یعنی دَورہ پڑ گیا یا جِنّ آ گئے) لوگوں نے کہا تمھاری تو گردن ٹوٹ گئی تھی۔ تُم تو مر گئے تھے۔ پھر تم کہاں سے آ گئے ؟ تو میں قہقہے مار کر ہنسنے لگی۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ آخر مجھے لوگ گھر لے آئے۔ پھر اگلے جمعے کو مزار پر گئی تو جنگلے پر ہاتھ رکھتے ہی چپک گیا۔ تکلیف کے مارے کمر دہری ہونے لگی۔ مُنہ سے آہ نکلی (شدّتِ تکلیف کے سبب) اور پھر زبان بند ہو گئی۔ شام تک یہی ہوتا

رہا۔ اَب شہناز اور نسیم بھی آگئیں (ان پر بھی جناتی اثرات ہیں) اُنھوں نے کہا کہ چکّی پر چلو۔ مَیں بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ مَیں نے کہا کہ تُم ہو آؤ۔ مَیں نہیں جاؤں گی۔ لیکن وہ بضد ہوگئیں اور مَیں بھی مجبُوراً ان کے ساتھ چکّی پر چلی گئی۔ چکّی کے قریب جاتے ہی دَورہ پڑ گیا۔ بُری طرح چیخنے چلّانے لگی کہ ہائے! میری کمر! ارے! میری کمر ٹُوٹی۔ اَب مَیں نے پنجابی میں گفتگو شروع کر دی۔ پھر فرش پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگی۔ فرش پر تڑپنے لگی۔ بال نوچنے لگی۔ پھر اُٹھ کر بھاگی، مزار کی طرف گئی جالی پکڑ لی، پھر چلّانے لگی کہ:

اوئی ظالما! میری عابدہ بڑی بیمار ہے۔ ایک ہی بیٹی ہے۔ اگر وہ مرگئی تو کیا ہوگا۔ ایک ہی بیٹی ہے۔ اِسے پانی کون پلائے گا گھر پر وہ بالکل تنہا ہے۔ صبح جتنی جلدی کہو گے، آجاؤں گی۔ اَب مُجھے جانے دو!

میرا انداز بالکل ایسا تھا۔ گویا کسی سے مخاطب ہُوں۔ کوئی میرے سامنے موجُود ہے۔ جب اِس طرح بجواس کر چکی تو غصّہ آگیا۔ کہنے لگی کہ اچھا! دیکھتی ہُوں تو مجھے کِس طرح روکتا ہے؟

یہ کہہ کر مَیں دروازے کی طرف دَوڑی۔ لوگوں نے پکڑ لیا۔ مَیں دہاڑی کہ:

شمیم۔ اوئے۔ ذلیل، کمینی۔ آج تیرا جنازہ نکالوں گی۔ دیکھوں تجھے کون بچاتا ہے؟

باجی سامنے کھڑی تھیں۔ ان سے کہا کہ:

سُلطانہ! کُتیا۔ آج تیرا جنازہ بھی نکالنا ہے۔ یہ ہنگامہ جاری تھا کہ میرے بازُو سے وہ تعویذ نکل کر زمین پر گر گیا جو رحمان شاہ نے دیا تھا اور مَیں نے بے تحاشا رحمان شاہ کو گالیاں دینی شروع کر دیں کہ بدمعاش بڈھا۔ اس نے یہ تعویذ دیا تھا کہ معدے کا درد دُور ہو جائے۔ مگر اس کا مطلب کچھ اور تھا۔ بڑا حرام زادہ ہے۔ شمیم کی ماں کا کلیجہ اپنی زبان سے چاٹوں گی۔ دیکھنا ایک ایک کو ماروں گی (گویا اب شمیم پر جنّ کے بجائے کسی مادہ جنّ یا جنّ عورت کا تسلّط ہو گیا تھا) آج میں شمیم کی بدولت قید ہُوئی ہُوں۔ اِسے کھائے

بغیر نہ چھوڑوں گی۔ یکایک مزار کی جالی سے میرا سینہ اور پیٹ چپک گئے۔ میں فریاد کرنے لگی کہ :

ہائے۔ میرا معدہ چھدا۔ ہائے میرا کلیجہ پھٹا۔

یقین کیجئے بُری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس عالم میں رات ہوگئی۔ دُوسرے دِن بھی یہی بے خودی طاری رہی۔ اس حالت میں خُوب ڈانس کیا، خُوب ناچی (بہت سی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر میں شمیم لکھتی ہیں کہ :

اَب کل یعنی ۷ ار جُون اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد میں جنابِ سیدہ کی کہانی سُنانے لگی۔ جب اس شعر تک پہنچی کہ :

صدیقہ نام رکھا ہے تُو نے بتُول کا
جُھوٹا نہ کیجیو مجُھے صدقہ رسُول کا

تو یکایک سارے جسم میں کانٹے چبُھنے لگے۔ شدید قسم کی سردی اور بے چینی محسوس ہونے لگی۔ خیر بمشکل کہانی کو پڑھنا شروع کیا تو محمدؐ کے نام پر حالت غیر ہوگئی۔ اِس وقت میں یہ سطور لکھ رہی ہُوں۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ بمشکل سے لکھا جا رہا ہے۔ خُدا کے لیے رئیس صاحب! مجُھے بتائیے کہ یہ کیا اسرار ہیں؟ یہ کیا بھید ہیں۔ میں کس مصیبت میں پھنس گئی ہُوں۔ فقط شمیم صدیقی۔ کراچی

جِنّ کا تجزّیہ

مَیں نے شمیم صدیقی کے دو طویل خطُوط کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آیئے اَب اِس جِنّ یا جِنّاتی کیفیّت کا تجزیہ کریں :

شمیم صدیقی کے بیانات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جب ان پہ جِنّاتی دَورہ پڑتا تھا۔ تو ان کی شخصیّت دو حِصّوں میں بَٹ جاتی تھی۔ یا یُوں کہیے کہ ان کی مرکزی شخصیّت

(یعنی خود شمیم صدیقی) سے ایک اور شخصیت نمودار ہو جاتی تھی۔ جو اپنے کو جنّ کہتی تھی۔ یہ دُوسری شخصیت (جو اپنے کو جنّ اور شمیم کا عاشق کہتی تھی) مرکزی شخصیت (شمیم) کی گرفت سے بالکل آزاد تھی۔ وہ جو چاہتی کرتی اور جو چاہتی کہتی۔ اصلی شمیم بالکل اس کے پیچھے میں تھی۔ اصلی شمیم بالکل بے بس ہو جاتی تھی۔ جنّ شمیم کے ذہن کا یہ باغی حصّہ کبھی اپنے کو نرجنّ کے روپ میں پیش کرتا کبھی مادہ جنّ کے رُوپ میں! شمیم نے جناتی دَورے کی جو علامات بیان کی ہیں۔ وہ ہسٹریا سے بے حد مشابہ ہیں۔ یعنی سر یا جسم کے کسی حصّے پر بے حد وزن کا احساس، اعصابی تناؤ۔ بتیسی بند ہو جانا۔ بال نوچنا۔ زمین پر تڑپنا۔ مُٹھیاں بھینچ جانا۔ اُچھلنا۔ گھُومنا۔ درحقیقت یہ سب خود کار حرکات سخت دماغی دَورے کی (جس میں شعُور معطل ہو جاتا ہے) علامتیں ہوتی ہیں۔ بے شک شمیم بنیادی طور ہسٹریا، مالیخولیا اور تقسیمِ شخصیت (شیزو فرینا) کی مریضہ ہیں۔ اِس قسم کی حسّاس لڑکیاں اگر کسی نادیدہ جنّ کے اثر میں بھی آ جائیں تو ہرگز حیرت کا مقام نہیں۔ میرا التجزیہ یہ ہے کہ یہ دونوں بہنیں، شمیم اور سُلطانہ زبردست جذباتی دباؤ میں مبتلا ہیں۔ ان کا شعُور پوُری طرح ترقی یافتہ نہیں۔ اُنھوں نے متواتر ترغیبات (خود ترغیبی) سے اپنے آپ کو "جنّ گرفتہ" اور "آسیب زدہ" بنا لیا ہے۔ سیلف ہپ ناسز (خود تنویمی) کے ذریعہ ہر شخص (بشرطیکہ حسّاس ہو) اپنے اُوپر یہ کیفیت طاری کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایب نارمل اور سپر نارمل (غیر معتدل اور خارق العادت) دونوں ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ آسیب زدہ نفسیاتی مریض بھی ہوتا ہے اور نفسیاتی مریض ایک لمحے میں آسیب زدہ بن سکتا ہے۔ مَیں نے اس امکان کو مسترد نہیں کیا کہ شمیم اور سُلطانہ کسی نادیدہ قوّت کی آلہ کار نہیں ہیں۔ یقیناً ہیں اور ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ نفسیاتی مریضہ اور مالیخولیا میں مبتلا نہیں۔ وہ نادیدہ قوّت جو سُلطانہ اور شمیم کو اس بلا میں مبتلا کیے ہُوئے ہے۔ یقیناً کسی جن سے تعلق رکھتی ہے۔ میں اس وقت ہفت روزہ پیمان کراچی کے تازہ شمارے (۳۱ اگست ۷۶ء) میں پاکستان کے مشہور روڈ ماسٹر اور سائیکل سوار

ایم اے مطیع کا ایک انٹرویو پڑھ رہا تھا۔ ایم اے مطیع نے اِس انٹرویو میں اپنی زندگی کے بعض دلچسپ تجربات بیان کیے ہیں۔ ایک مشاہدہ سُنیے :

جنّ اور مٹھائیاں

حیدر آباد دکن میں مٹھائیوں اور پھولوں کی دکانیں اکثر رات بھر کھُلی رہتی ہیں۔ حلوائی اور گُل فروش چاہیں بھی تو دکانیں بند نہیں کر سکتے۔ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ وہاں یہ سب کچھ (دکانوں کا کھُلا رہنا) جنّوں اور دُوسرے بُزرگوں کے ایما سے ہوتا ہے جو وہاں راتوں کو انسانی بھیس بدل کر خریداری کے لیے آتے ہیں۔ مَیں نے خود کئی جنّوں کو اپنی آنکھوں سے سودا سلف خریدتے دیکھا ہے۔ ہُوا یُوں کہ ایک رات مَیں بہت دیر سے گھر لوٹ رہا تھا۔ اِتفاق سے میرا گُزر مٹھائیوں اور پھُولوں کی دکانوں کی طرف سے ہُوا۔ وہاں رات کو بھی قابلِ دید چہل پہل تھی مجھے یہ ہجوم دیکھ کر بہت حیرت ہُوئی۔ سوچا کہ یہ لوگ اتنی رات گئے مٹھائیوں اور پھُولوں کی خریداری کیُوں کر رہے ہیں؟ خیر مَیں یہ سارا تماشا دیکھتا ہُوا گھر کی طرف چلا گیا۔ دُوسرے روز جب مَیں نے ایک بُزرگ سے اِس واقعے کا تذکرہ کیا تو اُنھوں نے بتایا کہ بیٹے اتنی دیر تک دکانوں کو کھُلا رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں "اُوپر والے" (جنّات سے مُراد ہے) خریداری کرتے ہیں۔ اگر تُم میری بات کی تصدیق چاہتے ہو تو ایک سرسری نظر ان کے پیروں پر ڈال لینا۔ دُوسرے روز جب مَیں تصدیق کی غرض سے اِدھر سے گُزرا۔ تو واقعی بعض لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا ان کے پاؤں پیچھے کی طرف تھے۔ ہر چند کہ یہ صورت سے انسان معلوم ہوتے تھے۔ یہ حقیقت جاننے کے بعد میرا وہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا اور مَیں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

یہ ہے مطیع صاحب کا بیان
آپ اِس واقعے کی کیا توجیہہ کریں گے؟

پُراسرار فقیرنی

ہپناٹزم کے عمل میں معمول کو سب سے پہلے یہ سجیشن (ترغیب) دی جاتی ہے کہ تمہارا جس اکڑ رہا ہے۔ سر بھاری اور دماغ بوجھل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جب معمول اپنے جسم میں یہ کیفیت (اکڑا بھاری پن۔ بوجھل پن) محسوس کرنے لگے تو سمجھ لیجئے کہ وہ تنویم زدہ یا "ہپناٹائزڈ" ہوگیا۔ انور جمال فاروقی لاہور سے لکھتے ہیں کہ :

جب میں بہت چھوٹا تھا تو اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی فقیرنی ہاتھ میں سلور کا کٹو لیے مجھ سے بھیک مانگ رہی ہے۔ اور اس کے کٹورے میں چاول بھرے ہوئے ہیں۔ یہ مشاہدہ اکثر رات میں ہوتا۔ جب میں چیخ مار کر بستر سے اُٹھتا تو وہ عورت پلنگ کے نیچے چلی جاتی۔ اکثر سوتے میں لگتا کہ پلنگ ہوا میں اُڑ رہا ہے اور پھر اچانک کسی نے اس پلنگ کو انتہائی پستی میں پھینک دیا۔ پھر سانپوں کے خواب بکثرت نظر آنے لگے۔ سانپ اکثر رنگ کے ہوتے۔ اب خوابوں کا یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا ہے۔ پچھلے دو سال سے عجیب مسئا درپیش ہے، رات کو تقریباً دو بجے آنکھ کھل جاتی ہے اور مجھے احساس ہوتا ہے کہ سارا جس اکڑا ہوا ہے۔ انتہائی کوشش کے باوجود نہ ہل جل سکتا ہوں نہ کسی کو آواز دے سکتا ہوں پھر ایک سایہ میرے قدموں کی طرف سے ہو کر سر کی طرف چلا جاتا ہے۔ گزشتہ ستمبر میں کرا آنا ہوا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں سو رہا تھا اور میرا دوست ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ جسم حسبِ سابق اکڑا اور جکڑا ہوا تھا۔ مجھے دو مرتبہ ایسا لگا کہ کوئی بہت بھاری جسم میری چارپائی پہ بیٹھ رہا ہے۔ اسی اثنا میں سخت بھوک لگی تو کسی نے س سیب کی طرح کی کوئی رس دار چیز کھانے کو دی۔ میں نے بڑی کوشش اور قوت سے دوست کو آواز دی۔ مگر اس قدر قربت کے باوجود وہ میری آواز نہ سن سکا۔ انور جما فاروقی کا تجربہ شمیم صدیقی کے تجربات سے کس قدر مشابہ ہے؟

شفیق عالم مرزا (اپنے خط مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۷۴ء میں) رقم طراز ہیں کہ:

تفصیلاً عرض ہے کہ کپڑے ستمبر ۱۹۷۱ء میں کٹنے شروع ہوئے۔ لڑکی بظاہر بالکل ٹھیک رہتی ہے۔ کبھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس پر دورہ پڑنے والا ہے۔ پہلے پہلے لڑکی کے کپڑوں میں خود بخود سوراخ ہو جاتا ہم سمجھے کہ کوئی بچہ شرارتاً سوراخ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سوراخ کا حجم (سائز) بڑھنا شروع ہوا۔ کپڑا ایسی جگہ سے کاٹا جاتا کہ پہننے کے قابل نہ رہتا۔ پھر نوکرانی کی طرف خیال گیا۔ شاید وہ یہ حرکت اس لیے کرتی ہو کہ سوراخ کے سبب کپڑا قابلِ استعمال نہ رہے تو اسے دے دیا جاتے۔ لیکن چونکہ صندوقوں میں تالے پڑے رہتے تھے اس لیے نوکرانی پر شک کرنا بے سود تھا کیونکہ کپڑے کے صندوقوں کی کڑی حفاظت کی جاتی تھی اور وہ ہمیشہ مقفّل رہتے تھے۔ پھر ایک روز کیا ہوا کہ بچی اچانک سوتے میں بستر سے اُٹھی اور چل پڑی۔ پوچھا بی بی! کہاں جا رہی ہو؟

تو اس نے سامنے والے درخت کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بلا رہی ہے۔ ایک عامل نے بتایا کہ دو جن عورتیں اس بچی کے پیچھے پڑ گئی ہیں اور ان دو جن عورتوں پر ایک بوڑھی عورت "نیلم" کا قبضہ ہے۔ نیلم کی عمر اسّی سال بتائی جاتی ہے۔ عامل نے چاہا کہ عمل کے ذریعے نیلم کو حاضر کرے۔ مگر وہ اس میں ناکام رہا۔ میری بچی پر نیلم کی رُوح مسلّط نہیں ہوئی۔ البتّہ اک دُوسری بچی پر (جس کی عمر دس سال ہے) وہ دونوں جن عورتیں مسلّط ہو گئیں۔ اس بچّی کے ذریعے جنّ عورتوں نے بتایا کہ نیلم ہمیں حُکم دیتی ہے اور ہم کپڑے کاٹنے شروع کر دیتے ہیں۔

خیر صاحب! عامل صاحب نے کچھ تعویذ لکھ کر دیئے۔ ان سے افاقہ محسوس ہُوا۔ اور کپڑے کٹنے بند ہو گئے۔ لیکن ایک روز دیکھا کہ بچّی پر عجیب حالت طاری ہے اس نے اس حالت کے زیرِ اثر کہا کہ:

اَب میں نہیں رُکوں گی اور اَب پھر کپڑے کٹنے شروع ہو جائیں گے!

اور ایسا ہی ہُوا۔ تقریباً دو مہینے سے کپڑے کٹنے بند ہو گئے ہیں۔ لیکن بچّوں (دو لڑکے اور دو لڑکیاں) کو سوتے میں جھٹکے لگتے ہیں۔ بچّی سوتے میں کافی بڑبڑاتی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہہ رہی ہے۔ بیوی کو بھی سوتے میں جھٹکے لگتے ہیں اور ایک سایہ سا قریب آکر ڈراتا ہے۔ آٹھ فروری جمعرات کے دن ۷ اور ۸ بجے شب کے درمیان مجھے اگربتّی کی خوشبو محسوس ہُوتی (حالانکہ اگربتّی کا دُور دُور تک پتہ نہ تھا) میں نے بیوی سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ کبھی لوبان کی، کبھی اگربتّی کی اور کبھی گھگھل کی خوشبُو خود بخود آنے لگتی ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ کہاں سے آ رہی ہے؟ گھگھل بھی ایک قسم کی خوشبُو ہے۔ جس سے دیہاتیوں کے تجربے کے مطابق سانپ اور بچھّو بھاگ جاتے ہیں۔ گھگھل کو آگ پر جلایا جاتا ہے۔ شفیق عالم مرزا کو اگربتّی کی جس خوشبُو کا تجربہ ہُوا اس کے شاہد کچھ اور بھی ہیں۔

ع علی (کراچی) کا بیان ہے کہ:

میں پانچ برس سے بے حد پریشان ہوں۔ میرے گھر کے ایک حصّے پر کسی جِنّ یا کسی بزرگ کا قبضہ ہے (خانۂ خالی را دیو می گیرد) غریب خانہ دو کمروں ایک صحن پر مشتمل ہے۔ ایک کمرے میں کوئی نادیدہ مخلوق رہتی ہے۔ میری بیوی سے اُس کا اصرار یہ ہے کہ تُم اُس حصّے کو خالی کر دو۔ ہم اس کمرے میں صرف فالتو چیزیں رکھتے ہیں۔ البتّہ دونوں وقت اس کمرے میں باضابطہ صفائی کی جاتی ہے۔ پندرہ مئی ۱۹۷۳ء منگل کا واقعہ ہے کہ اہلیہ اس کمرے کی صفائی کر رہی تھیں کہ عجیب سی خوشبو آنے لگی۔ جیسے کسی نے اگربتّی سلگا دی ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت دن سے نہ لوبان جلایا ہے نہ اگربتّی! اس نام کی کوئی چیز ہمارے گھر میں موجُود نہیں۔ بیوی نے مجھے آواز دی میں کمرے میں گیا تو کمرہ اگربتیوں کی خوشبُو سے مہک رہا تھا۔ خُدا جانے یہ اگربتّیاں کہاں جل رہی تھیں؟ یہ عرض کر دوں کہ اس جنّاتی کمرے میں ہمارے مرحُوم بچّے کی پلنگڑی رکھی تھی۔ جو ایک سال پہلے ہنستا کھ

فوت ہوگیا تھا۔ اَب یہ پلنگڑی اس کی یادگار رہ گئی ہے۔ مَیں نے بیوی سے کہا کہ بچّے کی پلنگڑی بھی یہاں سے ہٹا دو۔ تھوڑی دیر میں بیوی بے ہوش ہوگئی۔ مَیں نے کچھ سورتیں پڑھ کر دَم کیں جب ہوش آیا تو اس نے بمشکل بتایا کہ ایک سفید پوش اُس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ سفید پوش نے اس کی گردن پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں نے تم سے جان (معصوم بچہ) اور مال (مجھے ستر ہزار روپے کا نقصان ہُوا ہے اور تقریباً بیس ہزار کا قرض دار ہوگیا ہُوں) دونوں چیزیں لے لی ہیں۔ تُم یہ کمرہ خالی کر دو ورنہ تمھیں بھی مار ڈالوں گا۔ ایک اور صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

شاہِ جنّ

ایک حاجی صاحب میرے واقف کار ہیں۔ ان کے پاس کوئی شخص آیا کہ لڑکی پر جنّ کا دَورہ پڑ گیا ہے۔ آپ جنّ اُتار دیں۔ چنانچہ حاجی صاحب جنّ اتارنے کے لیے چلے۔ مَیں بھی ساتھ ہوگیا کہ جنّ اُتارنے کا عجیب و غریب نظارہ بچشمِ خود دیکھوں۔ حاجی صاحب جنّ زدہ مریضہ کے یہاں پہنچے، بارہ سال سے کم عمر کی ایک بچّی کو بُلایا۔ پیالے میں سیاہی گھولی بچّی سے کہا کہ تُم اس سیاہی میں اپنا چہرہ دیکھو، جب بچّی کو چہرہ نظر آنے لگا تو حاجی صاحب نے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے بچّی سے پُوچھا کوئی آیا۔ اُس نے کہا چند آدمی آئے ہیں۔ جھاڑو دے رہے ہیں۔ اَب وہ کُرسی بچھا رہے ہیں۔ اَب جنّات کا بادشاہ آگیا ہے۔ کُرسی پر بیٹھ گیا۔ حاجی صاحب نے بہ آوازِ بلند شاہ جنّ کی خیریت مزاج دریافت کی۔ بچّی نے جواب دیا۔ حضرت کہتے ہیں کہ خیریت سے ہُوں۔ حاجی صاحب نے کہا آخر آپ اُس معصوم بچّی کو کس لیے پریشان کر رہے ہیں۔ اس نے کیا خطا کی ہے؟ شاہ جنّ نے (بچّی کی زبان سے) جواب دیا کہ فلاں جگہ میرے لوگ (جنّ) بیٹھے تھے کہ اس نے پیشاب کر دیا۔ حاجی صاحب نے کہا کہ یہ اِنسان ہے۔ آپ لوگ جنّ ہیں۔ نظر نہیں آتے

اسے کیا معلوم کہ کہاں جنّات بیٹھے ہیں؟ اس کا قصور معاف کر دو، اسے چھوڑ دو۔ اپنے جنّوں کو سمجھا دو۔ ورنہ میں سب کو قید کر دوں گا۔ شاہ جنّ نے کہا بہتر۔ ہم لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ جنّ زدہ لڑکی ہوش میں آ گئی۔ ایک دوسری مجلس میں حاجی صاحب نے اسی طرح (کسی بچّی کے ذریعے) شاہ جنّ کو بلا کر کہا کہ اپنے جنّوں کو میرے گھر بھیجو اور ان سے کہو کہ خیر خبر لے کر آئیں۔ تقریباً بیس منٹ بعد (بچّی کے ذریعے) جنّات نے بتلایا کہ ہم واپس آ گئے ہیں۔ جناب! آپ کے گھر بالکل خیریت ہے۔ میری ہمشیرہ کا بیٹا یعنی میرا بھانجا جرمنی میں ہے۔ میں نے حاجی صاحب سے درخواست کی کہ وہ جنّات کے ذریعے اس کی خیریت منگوا دیں۔ چنانچہ حاجی صاحب نے اس کی خیریت منگوا دی۔

رئیس صاحب! سب سے زیادہ اُلجھن میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ حاجی صاحب نے اپنی معمولہ بچّی (جسے پیالے میں سیاہی کو دیکھنے کا حکم دیا تھا) کو اس کی مرحومہ ماں سے ملا دیا۔ بچّی کو ماں نظر آ گئی۔ آخر یہ سب کیا قصّے ہیں؟ (خط مورخہ ۲۶ر مارچ ۱۹۷۳ء) (سُلطان محمود قاضی۔ سٹے لائیٹ ٹاؤن)

جنّات کو حاضر کرنے کا یہ طریقہ (جس کی تفصیل سُلطان محمود قاضی نے بیان کی ہے) برّ کوچک میں صدیوں سے رائج ہے۔ چراغوں کے سامنے بیٹھنا کسی سیّال چمکدار چیز کو پلکیں جھپکائے بغیر تکنا۔ ان تمام عملیات سے حسّاس آدمیوں پر تنویمی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اس تنویمی کیفیّت میں کبھی جنّات نظر آتے ہیں کبھی رُوحیں۔ ہو سکتا ہے کہ بہت حد تک یہ نظّارے عامل کی ترغیب کے نتیجے میں معمول کو نظر آتے ہوں۔ تاہم ان تمام نظاروں کا ایک خارق العادت پہلو ہے ضرور! اس کو فقط کھیل تماشا کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کم سن لڑکیاں اور لڑکے جنّات اور ارواح کے بہترین معمول ثابت ہوتے ہیں خصوصاً لڑکیاں! غالباً اِس کا سبب یہ

ہو کہ عام طور پر لڑکیاں نیوراتی اور اعصابی مزاج کی مالک ہوتی ہیں یعنی بہت جلد ان کا شعور معطل ہو سکتا ہے۔ آپ شمیم صدیقی کے بیانات پڑھ چکے ہیں۔ آپ نے خود اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ کس شدت سے نیوراتی اور جذباتی واقع ہوئی ہے۔ اب مس فاروق کی سرگزشت سنیئے، کہتی ہیں کہ میں تقریباً چار مہینے سے ماموں کے گھر مقیم ہوں جس کمرے میں سوتی ہوں وہ کچھ پُراسرار سا ہے۔ عجیب و غریب خواب نظر آتے ہیں۔ ایک ہفتے تک یہ خواب نظر آتا رہا کہ ایک ہندو جوگن (جس کا جوڑا بندھا ہوا ہے) میرے قریب کھڑی ہے۔ کبھی وہ پائنتی کی طرف نظر آتی۔ کبھی داہنی طرف کبھی بائیں طرف۔ آخر ایک روز میری آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ وہ ہندو جوگن (جو خواب میں نظر آ رہی تھی) بحالت بیداری سامنے کھڑی ہے، میں نے اس سے کہا کہ :

تُو اللہ کی جو بھی مخلوق ہے چلی جا، یا جس کام کے لیے آئی ہے وہ کام کر۔ کیونکہ میں خود زندگی سے بیزار ہوں۔ ہندو جوگن (چڑیل) نے اس فقرے کا کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور خاموش کھڑی رہی۔ تب میں نے اس سے پوچھا کہ اچھا یہ بتا کہ میری مامی پر جو مقدمہ چل رہا ہے۔ اُس کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا یا نہیں ؟

تو اس نے اثبات میں جواب دیا اور چلی گئی۔

اس کے علاوہ اکثر بلیاں میرے پلنگ پر چڑھ جاتی ہیں۔ دو تین بار تو ایسا ہوا کہ ایک بلّی نے میرا گلا دبا دیا۔ بلّی اکثر میرے پلنگ کے نیچے آ کر روتی ہے۔ رئیس صاحب! آخر یہ سب کچھ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کون کر رہا ہے ؟

مس فاروق کو ہفتے بھر تک جو چڑیل خواب میں نظر آتی رہی تھی۔ وہ بیدار ہونے کے باوجود بھی دکھائی دی۔ کیسی عجیب بات ہے یہ؟ کیسا عجوبہ بیان ہے یہ؟ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مس فاروق چڑیل کو خواب میں دیکھ کر بقولِ خود

بیدار ہُوئیں تو وہ اس وقت بھی بیدار نہ تھیں۔ خواب کے تسلسل میں کبھی کبھی ایک ایسا وقفہ آجاتا ہے کہ آدمی اپنے کو بیدار تصوّر کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی اس پر بیداری نما خواب کی کیفیّت طاری ہوتی ہے۔ اَب رہا بلیّوں کا مسئلہ۔ تو عجیب تر یہ ہے کہ جہاں جِنّ ہوں گے۔ وہاں بلیّاں اور سانپ ضرُور ہوں گے۔ بلیّوں کی کسی زمانے میں پرستش کی جاتی تھی اور گربہ پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ سیاہ بلّی۔ انجان خوفناک طاقتوں کی نمائندگی کرتی ہے اور سانپ تو دیو ہی ہے۔

محمد علی ایم بی بی ایس (پشاور یونیورسٹی) کہتے ہیں کہ:

باجوڑ کا جادُوگر

ایک عجیب و غریب معاملے سے واسطہ پڑا ہے۔ میں نے خود نفسیات کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر اس کیس کی تشریح سے قاصر ہُوں اس لیے آپ کی طرف رجُوع ہُوا ہُوں۔ ہمارے علاقہ باجوڑ میں ایک شخص ہے۔ اَن پڑھ، جاہل اور بدشکل۔ تاہم حیرت انگیز کمالات کا مالک۔ یہ پُراسرار بُوڑھا نہایت سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بُوڑھے کا بیان ہے کہ میرے قبضے میں جِنّ ہیں۔ مَیں جنّات کے نادیدہ وجُود کا قائل نہیں۔ پرویز صاحب کہتے ہیں کہ جنّات معاشرے کے وہ لوگ ہیں۔ جو خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس بوڑھے کا دعویٰ ہے کہ جِنّ اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔ مثلاً اِس سے کہا جاتا ہے کہ فلاں اور فلاں چیز منگوا دو۔ وہ چیز غیب سے فوراً نمودار ہو جاتی ہے۔ مثلاً پھل۔ قلم۔ اسلحہ اور کارتوس! ہاں یہ ضرُور ہے کہ وہ اس چیز کی دوگُنی تگنی قیمت وصُول کرتا ہے۔ جتنے لوگ اس بُوڑھے کے مؤکلوں کے ذریعے درّے سے کارتوس منگواتے ہیں اور وہ آجاتے ہیں۔ اس معاملے کو نظر بندی بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جو چیز منگوائی جاتی ہے وہ بجِنسہٖ آجاتی ہے اور آپ اسے استعمال بھی کرتے ہیں۔ مَیں نے خود اس کے کمالات دیکھے

میرے سامنے اس بُوڑھے سے کسی شخص نے کہا کہ مَیں نے افغانستان کے نوٹ نہیں دیکھے۔ ایک بنڈل تو منگوا دو۔ واپس کر دیں گے۔ ایسا ہی ہُوا۔ ایک دفعہ اسے پشاور بلوایا گیا تاکہ فوجیوں کے سامنے اپنے اِس کمال کا مظاہرہ کرے۔ فوجیوں نے اسے توپیں اور ٹینک دکھائے۔ اس نے کہا کہ اَب میری طاقت دیکھو۔ مَیں جرمنی سے بم منگواتا ہُوں۔ تھوڑی دیر میں فوجیوں نے دیکھا کہ اِن کے سامنے بم کے گولوں کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ میجر گھبرا یا۔ اس نے کہا کہ انھیں غائب کر دو۔ کہیں پھٹ نہ جائیں۔ چُنانچہ وہ بم غائب ہو گئے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ سارے کام میرے مؤکل یعنی جِنّات کرتے ہیں۔

محمد علی صاحب میرا یہ خیال ہے کہ وہ باجوڑ کا جادُوگر سچ ہی کہتا ہے۔ یہ کام جنّات ہی کر سکتے ہیں۔ اِنسانوں کے بس میں نہیں کہ چشمِ زدن میں بغیر کسی مادّی واسطے اور ظاہری وسیلے کے افغانستان سے نوٹوں کا بنڈل اور جرمن میگزین سے بم منگوا لیں۔ محمد علی نے جو واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ بلاشُبہ اس قسم کے کمالات دیکھنے میں آتے ہیں اور آج بھی بہت سے لوگ ان کے شاہد عینی موجُود ہیں۔ میرے دوست جناب گُل حسن رضوی نے (کہ ٹنڈو الہ یار میں مقیم ہیں) بیان کیا کہ ایک ناخواندہ سندھی کے قبضے میں ایک پری زاد ہے اور وہ اس سے حسبِ مرضی کام لیتا ہے۔ ایک مرتبہ گُل حسن صاحب نے اس سندھی کو اپنے مکان پر بلایا اور پری زاد کی حاضری پر رضا مند کر لیا۔ گُل حسن کا بیان ہے کہ سندھی عامل نے اجنبی زبان میں کچھ پڑھنا شروع کیا اور چند منٹ بعد سفید پارۂ ابر کی صُورت میں وہ پری زادان کے سروں پر نمودار ہو گئی۔ گُل حسن نے اس سے کلام بھی کیا اور کچھ کام بھی لینا چاہا۔ مگر اپنی ناتجربہ کاری کے سبب کامیاب نہ ہو سکے۔

جلیس احمد شاہ (خط مؤرخہ ۳، مارچ ۷۲ء) کا بیان ہے کہ:

مَیں پہلے عشق کو خلل دماغ تصوّر کرتا تھا۔ تین سال ہُوئے کہ خود اس خللِ دماغ

میں مُبتلا ہوگیا۔ اس وقت سے اَب تک ہر لمحہ محسوس کرتا ہُوں (چلتے پھرتے۔ اُٹھتے بیٹھتے) کہ کوئی نادیدہ وجُود میرے ساتھ ہے:

کِس نے پیچھے سے قہقہہ مارا
یہ اندھیرے میں کون ہے مرے ساتھ
کون آیا مرے تعاقب میں
وہی فکر و خیال کے جنّات

متعدّد بار یہ احساس ہُوا کہ وہ وجُودِ نادیدہ میری مسہری کے پاس کھڑا ہے چھُو کر دیکھا تو پایا سُونگھا تو گُل نرگس کی مہک سے دماغ معطر ہوگیا یہ مہک ہر وقت مشامِ جان کو معطّر رکھتی ہے:

مشامِ جاں معطر جس کی بُوئے پیرہن سے ہے
نہیں معلوم اس یُوسف کو نسبت کس وطن سے ہے

ان مباحث میں آپ کتنی خُوشبُوئیں سُونگھ چُکے ہیں۔ حاضرات کے جتنے عمل ہوتے ہیں۔ ان میں لوبان سُلگانا۔ اگر بتیاں جلانا۔ عطریات لگانا اور بخورات روشن کرنا شاید اس لیے ضروری ہے کہ عالمِ مثال کی مخلوقات (مثلاً جِنّ۔ فرشتے اور ارواح) خُوشبُو کی طرف کھینچتی ہے اور جب کہ ارواح خبیثہ کا رُجحان بدبُودار چیزوں کی طرف ہوتا ہے مثلاً خُون۔ شراب اور دُوسری ناپاک چیزیں!

جنّات کی خوراک

آپ نے اس کتاب میں پڑھا ہوگا کہ مابعدالحیاتیات (ایکسو بیالوجی) کی رُو سے ایسی مخلوقات ہوسکتی ہے جو محض توانائی پر زندہ رہ سکے۔ یعنی اشیائے غذائی کو سُونگھ کر اس کی توانائی جذب کرلے۔ اِس سلسلے میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ میرے نانا سیّد

کرّارحسن مرحوم کے بھائی سیّد جرارحسن مرحوم کے مراسم ایک بزرگ جن سے تھے۔ سُنا ہے کہ ایک مرتبہ نانا سیّد جرارحسن مرحوم نے ان بزرگ جن سے درخواست کی کہ آپ میری دعوت قبول فرمالیں۔ بڑی ردّوقدح کے بعد اُنھوں نے ہامی بھرلی یعنی دعوت قبول کرلی۔ نانا سیّد جرارحسن مرحوم نے ایک سوال کیا کہ آپ کھانے میں کیا چیز پسند فرمائیں گے؟ اُنھوں نے فرمایا جَو کی روٹی، پنیر اور کافور۔ نانا مرحوم نے بڑے اہتمام کے ساتھ جَو کی روٹی تیار کرائی اور پنیر اور کافور کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کردی۔ دُوسرے تیسرے روز ان بزرگ نے کھانے کے جو برتن واپس کیے تو نانا مرحوم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جَو کی روٹیاں اور کافور اور پنیر تینوں خاکستر بن کر رہ گئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا؟ کہا کہ ہم آپ کی طرح کھایا نہیں کرتے۔ صرف سُونگھا کرتے ہیں اور سُونگھ کر ہر شئے کی غذائی طاقت جذب کرلیتے ہیں۔ یہ جو نذر و نیاز کا رواج ہے اس کی پشت پر یہی نظریہ کار فرما ہے کہ رُوحیں ان غذاؤں کی توانائی سے شکم سیر ہوجاتی ہیں۔

ح (حیدرآباد سے) لکھتے ہیں کہ :

ایک مرتبہ میری شریک حیات (ن) اسکول سے پڑھ کر آرہی تھی۔ گھر آکر چیخ ماری، اُمّی سے لپٹ گئی اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگی۔ اس نے کہا کہ ایک نہایت بھیانک صُورت میری طرف بڑھ رہی ہے۔ دن میں دو تین مرتبہ یہ دَورہ پڑتا اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی۔ دَورے کے دَوران اس کی آواز مردانہ ہوجاتی۔ عامل حضرات نے بتایا کہ اس پر جن کا اثر ہے۔ سوال کیا گیا کہ تُم اِس بچّی کو کیوں ستاتے ہو جواب ملا (ن کے ذریعے) کہ اس نے ہمارے چالیس انڈے کھالیے ہیں۔ یہ عجیب بات تھی جنّات کے چالیس انڈے اور ایک بچّی کھاجائے! تنگ آکر ڈاکٹروں کو دکھایا۔ اُنھوں نے اپنی رپورٹ میں کسی دماغی خلل کا ذکر نہیں کیا۔ ریڑھ کی ہڈی کا معائنہ کیا گیا۔ وہ بھی صحّت مند تھی۔ مختصر یہ کہ چند روز کے بعد خود بخود دَورے پڑنے بند ہوگئے۔ سال بھر

بعد یہ ہُوا کہ گھر میں کوئی تقریب تھی۔ ن نے نئے کپڑے پہنے اور فوراً دَورہ پڑ گیا۔ دورے کی حالت میں پہلے جھُومتی تھی۔ پھر ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے اور جسم بے جان۔ آنکھیں اُوپر کو چڑھ جاتیں۔ جبڑے سختی کے ساتھ بھنچ جاتے۔ یہ واقعات شادی سے قبل کے تھے۔ آج سے ایک مہینے پہلے پھر "ن" کی وہی کیفیّت ہوگئی۔ ح نے سوال کیا کہ رئیس صاحب! مشورہ دیجئے کہ اس صُورت میں کیا کیا جائے۔ ہر قسم کا علاج کرایا گیا مگر ناکامی ہُوئی۔

ہمزاد

ہمزاد کا شمار بھی جنّات ہی میں ہوتا ہے۔ عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر بنی آدم کے ساتھ جِنّ کے یہاں بھی ایک فرزند پیدا ہوتا ہے اور وہ آدم زاد کا ہمزاد ہوتا ہے۔ اس روایت کا تعلق جنّات کے علم الاصنام (متھالوجی) سے ہے۔ اب آیئے اس سلسلے میں لوگوں کے تجربات پیش کریں۔ خان محمد ڈرائیور نیو پنجاب سوپ فیکٹری سرگودھا سے لکھتے ہیں :

آپ نے لکھا ہے کہ میری اجازت کے بغیر ہمزاد کی تسخیر کا عمل نہ کریں ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ محترم! اگر آپ کی اجازت اور رہ نمائی کے بغیر تسخیر ہمزاد کے عمل کا ارادہ ہوتا تو آپ کو اطلاع ہی کیُوں دیتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ مَیں اس حیرت انگیز دُنیا کے اسرار و رمُوز اور عالمِ نادیدہ کی پیچیدہ نیم تاریک گھاٹیوں سے باخبر نہیں۔ تاہم جناب کی تصانیف کے مطالعے سے اس حقیقت کا اندازہ ضرُور ہو گیا ہے کہ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔

• اَب عمل ہمزاد کا طریقہ عرض کرتا ہُوں کہ تعمیلِ ارشاد کے بغیر چارہ نہیں۔ ارتکاز توجّہ کی مشقوں کی طرح ہمزاد کے عملیات میں بھی یکسُوئی۔ انہماک۔ عزم اور ارادے کی

پختگی کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ تسخیرِ ہمزاد کا یقین محکم ہونا چاہیئے۔ قوّتِ متخیلہ (خیال کی قوّت) جس قدر تیز ہوگی۔ اِس عمل میں اُسی قدر جلد کامیابی کا امکان ہے۔ یہ عامل کی قوّتِ ارادہ ہی ہے جو ہمزاد کو سرِ تسلیم خم کر دینے پر مجبور کرتی ہے عمل کے زمانے میں نفس کی طہارت اور جسم کی پاکیزگی پر خاص توجہ رکھنی چاہیے۔ اس زمانے میں گوشت، دُودھ، لسّی، مکھّن، گھی، لہسن، پیاز اور منشیات کا استعمال ممنوع ہے۔ ہم بستری کی بھی اجازت نہیں۔ البتّہ تسخیرِ ہمزاد کے بعض عملیات میں دُودھ گھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دَورانِ عمل کھانے میں غذا کا کچھ حصّہ الگ کر کے زمین پر ڈال دینا چاہیے۔ تصوّر یہ ہو کہ یہ ہمزاد کا حصہ ہے۔ عامل کا فرض ہے کہ وہ اپنی موت سے قبل ہمزاد کو آزاد کردے ورنہ وہ عمر بھر کی زحمتوں کا بدلہ عامل کی لاش کی بے حُرمتی کر کے لے سکتا ہے۔ البتّہ جس ہمزاد کو محدُود مُدّت کے لیے مسخر کیا جاتا ہے۔ وہ میعادِ تسخیر ختم ہونے پر خود بخود آزاد ہوجاتا ہے۔ ہمزاد کو آزاد کرنے سے قبل اس کی دعوت بھی کرنی چاہیے اور اس سے اپنی زیادتیوں اور زبردستیوں کی مُعافی مانگنی چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ عامل کے جسم کا کوئی حصّہ کٹا ہُوا۔ ناقص یا معطل نہ ہو (مطلب یہ کہ عامل ہمزاد کو صحیح الاعضا ہونا چاہیے) عمل میں وقت اور جگہ کی پابندی بھی ضرُوری ہے۔ عامل کے ناجائز مطالبات اور پریشان کُن ہدایات سے ہمزاد خُوش نہیں ہوتا۔ بے شک وہ وقتی طور پر حکم کی تعمیل کر دے گا۔ لیکن موقع کی تاک میں رہے گا۔ جُوں ہی عامل اس کی گرفت میں آیا وہ اسے سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ عمل کی مقررہ مُدّت ختم ہونے پر یا اس سے پہلے جب ہمزاد حاضر ہوکر پُوچھے کہ اِسے کیُوں طلب کیا گیا ہے تو عامل کا فرض ہے کہ وہ اس سے باضابطہ معاہدہ کرے۔ اس معاہدے کی ہر شرط واضح اور قطعی ہونی چاہیے۔ یعنی تُم اِتنی مُدّت تک مسخّر (زیرِ فرمان) رہو گے۔ فلاں فلاں کام کرو گے۔ فلاں فلاں کام تُم سے نہیں لیے جائیں گے۔ تُم سے کسی مجرمانہ کام میں

امانت نہیں لی جاتے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب ہمزاد ان باتوں کو تسلیم کرلے (اور یقیناً وہ تسلیم کرلے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں) تب اس سے خدمت لینی چاہیے۔ ہرگز معاہدے میں کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیے جو آگے چل کر عامل کی پریشانی اور پشیمانی کا سبب بن جاتے آپ ہمزاد سے کوئی ایسی فرمائش نہ کریں۔ جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ اس قسم کی فرمائشوں سے وہ بدمزاج ہوسکتا ہے اور اس حد تک سرکشی پر آمادہ ہوسکتا ہے کہ عامل کے جائز احکام کی تعمیل سے بھی انکار کردے۔ عمل ہمزاد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ سفلی اور علوی (نیک وبد) سفلی عمل سے کالا ہمزاد تابع ہوتا ہے اور علوی عملیات سے سفید ہمزاد! کالا ہمزاد ہر قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں بخوشی حصّہ لے سکتا ہے، کالے ہمزاد کے عامل کو ہمیشہ نجس اور ناپاک رہنا چاہیے۔ جب تسخیر ہمزاد کا چلّہ کھینچا جاتا ہے تو طرح طرح کے مہیب مناظر رونما ہوتے ہیں مثلاً قیامت خیز آندھی چل رہی ہے۔ تباہ کن زلزلہ آرہا ہے۔ خون کی بارش ہورہی ہے۔ اژدھے حملہ کررہے ہیں۔ الغرض عامل کو ایسے نظارے دورانِ عمل دکھائی دیں گے کہ کلیجہ پھٹ جائے۔ لیکن درحقیقت یہ سب التباس نظر ہے!

خواجہ حسن نظامی

حال ہی میں خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک خود نوشت واقعہ نظر سے گزرا جس کا تعلق تسخیر ہمزاد سے ہے۔ افسوس کہ میں نے اس تحریر کو محفوظ نہیں رکھا واقعے کی جزئیات تو یاد نہیں۔ البتہ عمومی تاثر یاد ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کوٹھڑی میں حصار کھینچ کر عمل تسخیر ہمزاد شروع کیا۔ دوسرے یا تیسرے روز کوٹھڑی کے روشندان میں ایک ننھا منّا انسانی وجود نظر آیا۔ وہ چھلانگ لگا کر کوٹھڑی کے فرش پر اتر آیا۔ پھر اسی طرح کی ایک دوسری مخلوق آن کودی۔ وہ دونوں آپس میں گفتگو کرنے

لگے۔ کہا، کیا ہی اچھا ہو کہ پُوریاں پکائی جائیں۔ اچھا تو پھر پُوریوں کا سامان لے آئیں۔ پھر وہ دونوں اُچھلے اور فضا میں بلند ہو کر روشن دان کے راستے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر بعد پھر اُسی روشن دان کے ذریعے اندر داخل ہُوئے۔ اس مرتبہ وہ پُوریاں تلنے والی کڑھائی لے کر آئے تھے۔ کڑھائی چڑھا دی۔ اس میں خود بخود تیل نمودار ہو گیا۔ پھونک ماری تو آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تیل اُبلنے لگا۔ اُبلتے ہُوئے تیل میں زندہ چُوہا نظر آیا۔ ایک ہمزاد نے دُوسرے ہمزاد سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اس شخص (خواجہ حسن نظامی) کا سر کاٹ کر تیل میں پکایا جائے۔ خواجہ حسن نظامی کی یہ تحریر سیّارہ ڈائجسٹ کے کسی خاص نمبر میں شائع ہُوئی تھی۔ افسوس کہ مجھے اس کی تفصیلات یاد نہیں رہیں۔ عام طور پر عامل ہمزاد کو عملیات کے دَوران کس قسم کے نظّاروں سے محظوظ یا متحیّر ہونا پڑتا ہے۔ اس کی تفصیل جوش ملیح آبادی صاحب سے سُنیے۔ اُنھوں نے اپنا یہ خواب "یادوں کی برات" میں نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

جوش ملیح آبادی

خُدا خُدا کر کے نیند آئی۔ تو خواب دیکھا کہ سامنے بہت بڑا میدان ہے۔ جہاں خیمہ نصب کرنے کے لیے میخیں ٹھونکی جا رہی ہیں کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ! اس کے بعد ایک دل بادل خیمہ نصب کر دیا گیا ہے۔ خیمے کے اندر باہر بڑے بڑے گیس کے ہنڈے روشن کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد دس پندرہ فراش آ گئے اور بڑی بڑی دریوں کو زور زور سے جھٹک کر بچھا رہے ہیں۔ دریوں کے جھٹکے جانے سے گرد اُڑ رہی ہے۔ گرد سے مرچوں کی دھانس آ رہی ہے۔ ایک کچّو داڑھی کا فراش چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ابے رمضیا! سالے زندہ ہے کہ مر گیا؟ ارے اگال دان لا اگال دان! اب کچھ لوگ خیمے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان کی ٹوپیاں دو دو گز لمبی ہیں۔ ٹوپیوں پر مُرغے کڑھے ہُوئے

ہیں۔ کچھ لوگوں کے سروں پر بڑے بڑے کالے پگڑے ہیں۔ پگڑوں پر بڑے بڑے آ گیا بیتال بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں۔ ان کے جسموں پر چیتے کی کھال منڈھی ہوئی ہے جوتوں کی ڈوریوں میں مگرمچھ بندھے ہوتے ہیں۔ ان کی جیبوں سے بار بار بندر جھانک رہے ہیں۔ بندروں کی گردن میں ناگوں کے مفلر پڑے ہوتے ہیں اور جب وہ لوگ بیٹھ گئے قالینوں پر۔ تو بیٹھتے ہی ان کی ناکیں دفعتاً چھ چھ فٹ لمبی ہو گئیں۔ اور ناکوں کی چونچوں پر ریچھ ناچنے لگے۔ اوہو۔ ایک مشعلچی بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کی ٹھڈی پر لنگور کی دم جیسی پتلی داڑھی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک پورا طائفہ چلا آ رہا ہے بڑے زبردست ہنگامے کے ساتھ! طائفہ خیمے کے بیچوں بیچ آ کر بیٹھ گیا۔ حاضرین حقے پینے اور سازندے ساز ملانے لگے۔ سازوں کے ملانے سے دو خونخوار بلیوں کے لڑنے کی آوازیں آنے لگیں اور حقوں کے کڑاکے ایک دوسرے کو فحش گالیاں دینے میں سرگرم ہو گئے۔ گانے والی سامنے آئی۔ اس کا منہ گھونس کا سا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں کھڑاویں بندھی ہوئی ہیں۔ سارنگیا تانت کی طرح پتلا اور تاڑ کی طرح لمبا ہے۔ طبلچی اس قدر موٹا ہے کہ پندرہ گز زمین گھیرے بیٹھا ہے اور وہ اپنے سونڈوں کے سے ہاتھوں سے دھما دھم طبلہ بجا رہا ہے۔ اس کے طبلے کی تھاپ سے گیس کے ہنڈے چٹختے جا رہے ہیں۔ گھونس کی شکل والی مغنیہ گا نہیں رہی۔ چیخ رہی ہے اور اس کے مونہہ سے موٹے موٹے کوے نکل کر قائیں قائیں کر رہے ہیں۔ اتنے میں یہ دیکھا کہ مشکل سے دو بالشت کا ایک بونا گل مچھے رکھے مٹکتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے گلے میں ایک بڑی سی دیگ لٹکی ہوئی ہے اور وہ لوہے کے ایک ٹکڑے سے اس دیگ کو ٹن ٹن ٹن ٹن بجا کر تال دے رہا ہے۔ اتنے میں د دیکھتا ہوں کہ اس دیگ سے ایک مرہٹہ کود پڑا اور جھانجین بجانے لگا اور جھانجیں اس زور سے بجنے لگیں کہ مجھ بدبخت کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا گھڑی تین بجا رہی ہے۔

جوش صاحب کے اِس دلچسپ خواب کی تفصیل اس لیے نقل کی گئی کہ میں بارہا بیداری کی حالت میں ان عجیب، مضحکہ خیز اور بعض اوقات مہیب مناظر کو دیکھ چکا ہوں۔ تسخیرِ ہمزاد کے عمل کے دوران اسی طرح کے صدہا نظارے آپ کے سامنے پیش ہوں گے۔ آپ نہ ان سے ڈریں نہ اظہارِ حیرت کریں۔ بس دیکھتے رہیں:

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہمزاد کی برادری میں آگیا بیتال کا قبیلہ بھی شامل ہے۔ آگیا بیتال کی شعبدہ نمائیوں کا ماجرا جناب احسان دانش سے سُنیے وہ اپنی بے حد دلچسپ و دلنواز آپ بیتی 'جہانِ دانش' میں لکھتے ہیں کہ:

اِحسان دانش

کیرانہ کے لوگ نسلاً شریف اور عملاً لڑاکے ہوتے ہیں۔ نہایت خوش مزاج اور وفادار بھی پائے گئے ہیں۔ ہم جاتے پیتے رہے اور گپ لگتی رہی۔ شام ہونے کو آئی تو میں نے شجاعت سے اجازت چاہی۔ اس نے کہا کہ:

میاں! میں نے گھر کھانے کے لیے کہہ دیا ہے۔ اَب تو آپ کھانا کھا کر جا سکیں گے۔

میں نے کہا۔ رات ہو جائے گی۔ پھر کہاں جانے کا وقت رہے گا۔ دو گھنٹے خاموشی سے سفر کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

اس پر شجاعت نے کہا۔ میں ساتھ چلوں گا۔ اب تو ٹھیک ہے نا؟

میں مطمئن ہو گیا کہ شجاعت میرے ساتھ جائے گا اَب کیا فکر ہے؟ چنانچہ ہم رات کا کھانا کھا کر گیارہ بجے کے قریب سو کیرانہ سے کاندھلہ کو چل دیئے۔ چاند ہم دونوں

کے سروں پر ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور جنگل کی خموشی چاندنی میں گھل مل کر پھیل رہی تھی۔ ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ایک دوسرے کو اپنے انتخاب کے اشعار سناتے جا رہے تھے۔ اونچے گاؤں کے سامنے میں نے بابو رام کو آواز دی وہ شاید دن بھر کی مشقت سے تھک ٹوٹ کر بے خبر سو رہا تھا۔ اس طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے دوبارہ آواز دی تو باغ کا چوکیدار نمودار ہوا۔ اس نے کہا کہ وہ سارا دن سفیدے کے پنیریوں کی پود لگاتا رہا اس لیے تھک ہار کر سو رہا ہے۔ ہم آگے بڑھ گئے اور چوکیدار سے کہہ دیا کہ صبح اسے بتا دینا۔ رات احسان آیا تھا۔ دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے تمھیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اونچے گاؤں اور جڈانہ کے درمیان شیخ سلیم چشتیؒ کے مزار کے سامنے ایک برساتی نالے کی پلیا کی بلندی دو ڈھلوان بناتی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف جمویوں کے درخت خاموش تھے جیسے جنازگاہ کے صحن میں متقیوں نے نماز کی نیت باندھ رکھی ہو۔ درختوں سے ذرا فاصلے پر دور تک بیوہ زمین کے صحن میں آخری حاشیے پر تھوڑے تھوڑے بے کٹے کھیتوں کے تابوت سے باقی تھے۔ اس سونی اور بے حس رات میں جب ہم پلیا پر پہنچے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا رہتی۔ پلیا پر سستانے لگا۔ شجاعت نے کہا کہ چلو یہ سستانے کا وقت نہیں ہے۔ گھر چل کر آرام کریں گے۔ میں نے کہا ٹھہرو۔ ذرا اس نعمت سے محظوظ تو ہو لینے دو۔ جو ہمارے اردگرد پھیلی پڑی ہے۔ شجاعت خاموش ہو کر میرے قریب بیٹھ گیا اور ہم دونوں چاندنی اور خاموشی کے آئینے میں کھو گئے۔ ابھی ہم دونوں میں سے کسی کی خاموشی میں درز نہیں کھلی تھی کہ سڑک کے ذرا پرے ایک اونچے درخت کی چوٹی سے کوئی بھاری چیز پتوں اور شاخوں میں کھڑبڑ کھڑبڑ کرتی دھم سے زمین پر گری۔ جیسے کوئی اناج کی بوری پھینک دے۔ میں نے شجاعت سے کہا۔ یہ کیا ہے؟

شجاعت: جو کچھ بھی ہو بس یہاں سے چل دو۔

میں : دیکھ تو سہی۔آخر یہ ہے کیا؟
شجاعت : کیا ہوگا دیکھ کر۔بس اُٹھ چلو!
میں : چلیں گے تو سہی۔مگر یہ معاملہ تو کُھلے کہ یہ ہے کیا؟
شجاعت : یہی بات ہے تو آؤ اُٹھو۔

ہم دونوں لٹھ تانے اس کی طرف بڑھے۔جب قریب پہنچے تو تقریباً دس فٹ کے فاصلے سے معلوم ہُوا کہ کوئی چیز ہے جو کمہار کے چاک کی طرح گھوم رہی ہے اور رفتار کے باعث اس کی ساخت اور خدوخال معلوم نہیں ہوتے۔ہم وہیں رُک گئے اور برابر نظریں گاڑے دیکھتے رہے۔وہ ہمارے دیکھتے دیکھتے کم ہونے لگی اور رفتہ رفتہ غائب ہوگئی۔جیسے ایک بگولا چکرا کر گم ہو جائے۔ہم دونوں دھڑکتے ہُوئے دِلوں سے واپس آئے۔اَب ہمارا یہ عالم تھا کہ پتّا بھی کھڑکتا تو شُبہ ہوتا تھا کہ وہی بلا تعاقب کر رہی ہے۔

آگیا بیتال

مَیں اور میرا دوست کیرانہ سے گنگیرو کے راستے کاندھلہ آنا چاہتے تھے۔ شام ہوگئی تو راستہ بھُول گئے۔اَب اندھیری رات تھی اور چاروں طرف کھیت ہی کھیت۔جن پر اندھیرا پھیلا ہُوا تھا اور گردوپیش کا ماحول مُرتشی کے ضمیر کی طرح تاریک اور بدمعاشوں کے منصوُبے کی طرح مخدوش اور مشکوک ہوُچکا تھا۔لیکن ہم ان اندھے راستوں پر اٹکل پچّو چلے جا رہے تھے۔گھبراہٹ بالکل نہیں تھی ہمارا خیال تھا کہ کسی وقت بھی سہی۔گھر ضرُور پہنچ جائیں گے۔ایک طرف کو جو نظر اُٹھی تو معلوم ہُوا کہ قریب قریب آدھے فرلانگ پر آگ جل رہی ہے۔خیال گزُرا کہ یہ ضرُور کسانوں کا ڈیرا یا رکھوالوں کا ٹھکانا ہوگا۔پھر خیال ہُوا کہ اگر یہ خانہ بدوشوں کا قافلہ ہوا تو وہ لوگ

کپڑے تک چھین لیں گے اور گھر ننگے جانا پڑے گا۔ لیکن پھر سوچا کہ کھیتوں میں خانہ بدوشوں کا کیا کام؟ وہ تو سڑک کے آس پاس یا کسی میدان میں ڈیرے ڈالتے ہیں۔ ہم اس آگ کی سیدھ باندھ کر چلنے لگے۔ جب چلتے چلتے پون گھنٹے کے قریب ہو گیا تو آگ بجھ گئی اور ہم پھر تاریکی میں کھو گئے۔ دو لمحے کے بعد وہ آگ پھر اُبھری اور بائیں طرف ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر دکھائی دینے لگی۔ ہم سمجھے کہ ہم غلط آ گئے ہیں۔ لہٰذا پھر اُسی طرف کو چل دیئے۔ کوئی تیس چالیس منٹ پھر چلے۔ مگر آگ کا فاصلہ کم نہ ہُوا۔ ہم نے تنگ آ کر وہ راستہ چھوڑ دیا اور غالباً خود بخود صحیح راستے کی طرف رُخ ہو گیا۔ پھر دیکھا تو وہ آگ نظر نہ آئی۔ ہم چلتے رہے، اِتنے میں کوئی دس فٹ کے فاصلے پر بھک سے ایک قدِ آدم شعلہ بلند ہُوا۔ جیسے کوئی کھال اُترا ہُوا آتشی بھینسا ڈکرا کر پچھلے دونوں پاؤں پر الف ہو جائے۔ آن کی آن میں وہ غائب ہو گیا اور ایک چنگاری تک باقی نہ رہی۔ مگر ہم خوف زدہ ہو گئے اور بدن میں سنسناہٹ کے ساتھ دِل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے باوجود ہم چلتے رہے۔ پھر ذرا سی دیر میں ایک کو کا کوئی پندرہ فٹ کے فاصلے پر اُٹھا۔ ہمارا قدم نہ رُکا۔ مگر معلوم یہ ہُوا کہ یہ شعلہ ہمارے ساتھ چل رہا ہے اور ہمیں گھیر کر بھٹکانا چاہتا ہے۔ چُنانچہ ہم نے اس کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا۔ اَب ہم پر اور بھی دہشت سی طاری ہونے لگی۔ اس وقت جسم میں خُون کی جگہ خوف گردش کر رہا تھا۔ انتہا یہ ہُوئی کہ اس شعلے کی روشنی ہمارے سامنے دس بارہ فٹ پر پڑ رہی تھی اور ہم اپنے اندازے کے مطابق کہیں گھُر اور کہیں راجباہ کے آثار نظر میں رکھے ہُوئے لپکے چلے جا رہے تھے۔ خُدا خُدا کر کے رات کے تین بجے کے قریب صحیح سڑک ملی اور ہم نے خود کو بہاڑ خاں کے حظیرے (مقبرے) کے قریب پایا۔ اَب وہ شعلہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور دُور دُور تک اس کا نام و نشان نہ تھا۔ مجھ پر اس سے پہلے واقعے کا اِس قدر اثر نہیں تھا جتنا اِس

نئے حادثے کا احساس ! کئی روز تک میں اس واقعے کے متعلق سوچتا رہا۔ آج بھی میں نے جہاں تک سائنس کا مطالعہ کیا۔ فنا کے بعد عناصر کی تشکیل اور خیر و شر کا شعور میرے لیے بدستور معمّے کی صورت رکھتا ہے۔ شاید سائنس اور نفسیات نے اس گوشے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ تو ممکن ہے کہ میرا احساس اور وہم دونوں مل کر کوئی صورت پیدا کرلیں۔ لیکن ایک ہی چیز پر دو آدمیوں کے احساس اور یقین کیسے متفق ہو سکتے ہیں اور نگاہیں کیسے دھوکا کھا سکتی ہیں ؟ کبھی وقت نے فرصت دی تو زندگی اور کائنات کے اس رُخ پر بھی تحقیق کروں گا اِنشاء اللہ۔

جناب اِحسان دانش کو کاندھلے کے راستے میں جس عجائب المخلوقات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسے غول بیابانی کہتے ہیں۔ حضرت خضر بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتے ہیں اور غول بیابانی انھیں راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔ غول بیابانی کا تعلق جنّات کی ادنیٰ قسم سے ہے ! خیر تو ہمزاد کے بارے میں گفتگو جاری تھی۔ عمل تسخیر ہمزاد کی جو ہدایات ہمارے یہاں کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ عاملوں نے ان ہدایات کی پابندی کو کامیابی کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً عمل خوانی میں جب ہمزاد نظر آنے لگے تو اس سے ہم کلام نہیں ہونا چاہیے۔ نہ اس کی دی ہوئی کوئی چیز کھانی چاہیے۔ ہمزاد کی مضحکہ خیز یا ڈراؤنی حرکات پر چونکنا نہ ہوں۔ کیونکہ وہ اِسے بھی آپ کی کمزوری کی علامت قرار دے گا۔ اس وقت ہمزاد کی حیثیت ایک بے ضرر سائے کی ہوتی ہے جو کسی کا کچھ بنا اور بگاڑ نہیں سکتا۔ عاملوں کا بیان ہے کہ ہمزاد ہمارا ہی جسم لطیف ہے۔ جس کی تخلیق ہمارے ہی ساتھ ہوئی ہے اگر ہم کوشش کریں تو جسم لطیف کو مسخر کرکے اس کی ماورائی قوتوں سے کام لے سکتے ہیں مثلاً امراض کی تشخیص اور دواؤں کی تجویز، دُور دراز سے ایسے پھل منگوانا جو نایاب ہوں۔ کسی پیچیدہ مسئلے کا حل۔ گم شدہ اشیاء کی سُراغ رسانی۔ ہمزاد دفینوں کا پتا بتلا سکتا اور انھیں برآمد کرا سکتا ہے۔ مستقبل کے بارے میں مشورہ دیتا ہے۔ ہزاروں میل کی خبر لا سکتا ہے

پہنچا تا ہے۔ اشیاء کو آناً فاناً اِدھر سے اُدھر لے جاتا ہے۔ لوگوں کے قلوب میں عامل کی نسبت دوستی یا دشمنی کے جذبات پیدا کر سکتا ہے۔ رُوئے زمین کا چکر لگا سکتا ہے۔ عناصر کے لحاظ سے ہمزاد کی چار قسمیں رہیں۔ آتشی۔ بادی۔ آبی اور خاکی۔ مختلف درجوں کے ہمزادوں کی قوتوں اور وسائل میں بھی فرق ہوتا ہے۔

ذاتی مُشاہدات

یہ تو ہوئے کتابوں کے بیانات۔ اَب آیئے لوگوں کے بیانات سُنیئے۔ صفدر عباس خان آف کوٹلہ جام تحصیل بھکر میانوالی کہتے ہیں کہ:

آپ نے بکمال نوازش میرے لیے دو مشقیں (تنفس نُور اور سایہ بینی) تجویز کی ہیں۔ ۱۰ اپریل کو میں نے دونوں مشقیں شروع کر دیں اَب دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ جب سائے پر نظر جماتا ہُوں تو وہ سایہ غائب ہو جاتا ہے۔ پھر جب آسمان کی طرف نظر اُٹھاتا ہُوں تو وہاں اپنی شباہت کا ایک سفید پارہ جھولتا دکھائی دیتا ہے۔

محمد اکرم (۷۰۱۔ فاروق پورہ زرعی فارم روڈ ملتان کینٹ) کہتے ہیں کہ:

میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق عمل ہمزاد شروع کر رکھا ہے۔ پہلے پہل کچھ دن خوف کی لہریں سارے جسم میں دوڑتی رہیں۔ اس قدر خوف طاری رہتا کہ خُدا کی پناہ۔ چند منٹ اپنے سائے کو دیکھتا ہُوں تو وہ سایہ دُھندلا جاتا ہے۔ سیاہی کے سائے سے لپکتے ہیں اور چند سیکنڈ بعد آنکھ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات پرچھائیں کی (جو وقت گزرنے پر ہمزاد کا رُوپ دھار لیتی ہے) رنگت گندمی ہو جاتی ہے۔ یہ حالت چند منٹ سے زیادہ نہیں رہتی۔ پھر سایہ اپنے اصلی رنگ میں آجاتا ہے۔ اَب میں اپنے معمُولات اور پوزیشن بتلا دُوں تاکہ سارا نقشہ آپ کے ذہن میں آجائے۔ میں نے کمرے کی مشرقی دیوار میں آئینہ نصب کر رکھا ہے۔ میرا مُنہ مشرق کی طرف اور بیٹھ مغرب

کی طرف ہوئی ہے بعبہ روشنی کے لیے مٹی کے تیل کا لیمپ استعمال کرتا ہوں اور اس لیمپ
کو اپنے حصار میں رکھتا ہوں۔ دو عدد اگربتیاں روزانہ سلگاتا ہوں۔ عمل شروع کرنے سے
قبل "حفظہ ماھو الاعلی العظیم" کی ایک تسبیح پڑھتا ہوں۔ حصار کھینچ کر عمل شروع کرتا ہوں۔
میں نے آنکھوں کے درمیان ناک کی جڑ کو مرکز توجہ قرار دے رکھا ہے۔ ترک حیوانات پر
عامل ہوں مگر پوری پابندی سے نہیں۔ چند روز قبل میں عمل شروع کرنے سے قبل خوشبو
لگانا بھول گیا تھا۔ عمل شروع کرنے کے بعد یاد آیا تو میں نے خوشبو سلگا دی۔ عمل کے
بعد جب بستر پر لیٹا تو سر بے حد دکھ رہا تھا۔ مزاج گرم تھا اور ہر شخص سے لڑنے کو جی چاہتا
تھا۔ خیر بمشکل اپنے کو کنٹرول کیا۔

یالطیف

ہمزاد کا کچھ نہ کچھ تعلق ہمارے جسم لطیف سے ضرور ہے اس لیے تسخیر ہمزاد کے
وظیفے میں یالطیف پر بے حد زور دیا جاتا ہے۔

سید محمد حسن (مزنگ لاہور) کا بیان ہے کہ:

یہ ۱۹۴۵ء کا ذکر ہے۔ میں نے ایک عامل ہمزاد سے یالطیف کی اجازت لی۔
عمل یہ ہے کہ اپنے سائے پر پلکیں جھپکائے بغیر نظریں جما دی جاتی ہیں اور یالطیف کا
ورد جاری رہتا ہے۔ کافی دن تک یہ عمل جاری رکھا کچھ نظر نہ آیا۔ ایک روز جو نظر
اٹھائی تو دیکھا کہ ایک نہایت قوی الجثہ وجود۔ جو دیو کی برابر ہے فضا میں معلق ہے اور
مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ کچھ دیر تک یہ دیوزاد فضا میں نظر آتا رہا پھر غائب ہو گیا۔
اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ فضا میں ایک میرے ہی جیسا سایہ موجود ہے۔ جس سائے پہ
نظریں جما کر میں عمل پڑھتا تھا۔ اس سے بھی ایک سفید سا سایہ الگ ہو جاتا ہے۔ آسمان
والا سایہ نما وجود میرے سامنے آتا۔ لیکن دس قدم فاصلہ رہتا کہ تحلیل ہو جاتا۔ اس کثرت

سایہ بینی کا اثر یہ ہوا کہ جو چیز پر نظر ڈالتا۔ اس سے ایک سایہ نکلتا اور اس شکل کا ایک سایہ آسمان پر بھی نمودار ہو جاتا۔

سلیم [illegible] اپنے خط مورخہ [illegible] رجولائی ۱۹۷۳ء رقم طراز ہیں کہ:

آج سے دو سال پہلے آپ کے مضامین پڑھ کر مجھے عجیب مذاق سُوجھا۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک انتہائی حسین و جمیل نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دوشیزہ کا سراپا (تخیل کی مدد سے) تیار کیا۔ رات کو سونے سے قبل میں اس سراپا نورِ غیرت حور کا تصوّر کیا کرتا تھا۔ اب عالم یہ ہے کہ وہ سراپا چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے!

محمود خاں۔ جمعہ خاں ڈرائیور سوئی گیس (کراچی) لکھتے ہیں:

۱۷رجولائی کو میں مسٹر انیس صدیقی کو لینڈ روور جیپ میں ٹائمز اور امروز اخبار کے دفتر میں لے گیا۔ دن کے دس بجے تھے۔ صدیقی صاحب اندر چلے گئے اور میں برابر والے بند دروازے کی سیڑھی پر بیٹھا رہا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد دیکھا کہ انیس صدیقی دفتر سے باہر آئے اور جیپ کی بائیں طرف گئے۔ اسی نشست پر وہ بیٹھتے ہیں۔ میں بھی اُٹھ کر جیپ کے اسٹیرنگ والے دروازے کی طرف آیا کہ وہ بیٹھیں گے تو میں بھی اسٹیرنگ سنبھال کر بیٹھ جاؤں گا (لینڈ روور جیپ کا سٹیرنگ داہنی طرف ہوتا ہے) جب دیر ہوئی تو میں نے سوچا کیا بات ہوئی۔ انیس صاحب بیٹھے نہیں۔ شاید تھیلے سے کوئی چیز نکال رہے ہوں۔ میں بائیں طرف گیا تو دیکھا کہ انیس صاحب کا کہیں پتہ نہیں۔ حیران کہ کہاں چلے گئے۔ دونوں طرف راستہ صاف تھا۔ میں ابھی اس حیرانی میں مبتلا تھا کہ اندر سے انیس صدیقی آ گئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس سے پہلے بھی باہر آئے تھے۔ انیس صدیقی نے کہا کہ نہیں۔ میں تو ابھی آیا ہوں۔ دنگ رہ گیا۔ رئیس صاحب اس وقت آپ یاد آ گئے (میں نے محمود خاں جمعہ خاں کو جواب میں لکھا کہ وہ انیس صدیقی کا ہمزاد تھا)

نورالحق (لطیف آباد) کے تجربات سُنیے:

یابدّوح

مَیں نے ہمزاد کا عمل شروع کیا۔ حسب ذیل اسماء پڑھتا تھا: "یا ھمزاد والمسخرات بحق یا لطیف یا حیّ ویا قیوم وبحق یا بدّوح ہمزاد حاضر شو حاضر شو حاضر شو"۔ یہ اسماء روزانہ تین ہزار ایک سو چھبیس مرتبہ پڑھے جاتے ہیں (۴۰ روز میں سوا لاکھ بار) اس وظیفہ خوانی سے قبل عطر وغیرہ لگا لیا اور لوبان وغیرہ سُلگا لیا کرتا تھا۔ اگربتی روشن ہوتی تھی۔ ہمیشہ باوضو اور پاک صاف رہتا۔ بڑا گوشت بالکل ترک کر رکھا تھا۔ یہ عمل رات کے دس بجے شروع کرتا اور ڈھائی گھنٹے بعد ساڑھے بارہ بجے ختم کرتا۔ اپنے عقب میں چراغ روشن کر کے قبلہ رُو بیٹھ جاتا اور اسماء کے ورد کے ساتھ سامنے والی دیوار پر اپنا عکس دیکھتا رہتا اور یہ تصور کرتا کہ اس عمل کی تاثیر سے سامنے والا سایہ مجھ سے ہم کلام ہوگا۔ گیارہویں روز عمل خوانی شروع کر کے دیوار پر جو نظر جمائی تو دیکھا کہ سایہ غائب ہے۔ پھر یکایک ظاہر ہوگیا۔ پھر اوجھل ہوگیا۔ غرض اسی طرح اس کے ظاہر ہونے اور غائب ہونے کا سلسلہ چلتا رہا۔ کبھی کبھی ایسا لگتا کہ وہ میری آنکھوں پر چھا گیا ہے۔ اکیسویں دن ایک سائے کے کئی سائے ہو گئے وہ دائیں بائیں، اوپر نیچے نظر آنے لگے تھے۔ نو روز کے بعد یعنی تیسویں روز وہ سب سائے سمٹ کر ایک ہو گئے۔ ہاں یہ عرض کردوں کہ اکیسویں روز سے مجھے بہت اچھے خواب نظر آنے لگے۔ ایک روز یہ دیکھا کہ میری ٹانگوں میں ایک لکڑی کا ڈنڈا ہے اور میں اس پر سوار ہو کر اڑ گیا ہوں۔ مَیں نے زمین اور آسمان کے کئی چکر لگاتے۔ پھر ایک بابا کے مزار پر اتر گیا۔ وہاں دوبارہ غسل کیا۔ ان بابا سے ہم کلام ہوا۔ انھوں نے مجھے کچھ پھل کھانے کو دیتے۔ پھل مَیں نے کھائے۔ آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ پیٹ بھرا ہوا ہے۔ چونتیسویں روز دورانِ وظیفہ دیکھا کہ میرے پیچھے آ کر کوئی بیٹھ

گیا ہے۔ اس کی پرچھائیں دیوار پر نظر آتی۔ اڑتیسویں دن وظیفہ پڑھتے پڑھتے یکایک میری ناک اور منہ سے دھواں نکلنے لگا۔ بڑی دہشت طاری ہوئی۔ وظیفہ بند کر دیا۔ پھر شروع کیا تو پھر منہ سے اور ناک سے دھواں نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ دوسرے روز بھی یہی کیفیت رہی کہ وظیفہ شروع کرتے ہی ہونٹوں اور ناک کے سوراخوں سے دھواں جاری ہو گیا۔ محسوس یہ ہونے لگا کہ دماغ کی ساری قوتیں دھواں بن کر باہر نکل رہی ہیں۔ میں نے عمل ترک کر دیا۔ اب مجھے ہر طرف اپنا سایہ نظر آنے لگا۔ پھر غائب ہو گیا۔ عمل کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھانا کھاتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں اور وہ لقمہ چباتے وقت چٹختے ہیں۔ ویسے دماغی حالت صحیح ہے۔ یہ عمل چالیس روز کا تھا۔ مگر افسوس کہ میں صرف اڑتالیس روز کر سکا۔ بتائیے کیا کروں؟

ایس ایم حسن (رجسٹرڈ انکم ٹیکس پریکٹشنرز (لاہور) کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے یالطیف کے التزام کے ساتھ عمل ہمزاد پڑھا تھا۔ اب بھی یہ عالم ہے کہ خود ہی نہیں جس چیز کو دیکھتا ہوں۔ اس سے ایک سایہ سا الگ ہو جاتا ہے۔ یہ سایہ روشن اور سفید ہوتا ہے میں نے پچیس سال پہلے یہ مشق کی تھی۔ لیکن اب تک یہ کیفیت برقرار ہے۔ بعض اوقات بیٹھے بیٹھے آسمان کو دیکھتا ہوں تو اک سفید براق پرچھائیں خلا میں جھولنے لگتی ہے۔ میں روزانہ ۱۲۹ مرتبہ یالطیف پڑھا کرتا تھا۔

اب محمد سعادت اللہ خاں (تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور) سے ان کی کہانی سنیے:

سرخ ہیولا

۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں ایک بزرگ سے بیعت کر کے اسم ذات (نفی اثبات) کا چلہ شروع کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ پھر سورۃ مزمل کی چلہ خوانی کی۔ لیکن کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ وقت

گزرتا رہا اور بندہ کسی نامعلوم چیز کی تلاش میں اندھا دھند ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ آخر بڑی تلاش اور کوشش کے بعد ایک دوست نے مشورہ دیا کہ چاندنی میں بیٹھ کر پلکیں جھپکائے بغیر سائے کی گردن کو تکا کرو۔ ہفتہ عشرے اسی طرح سایہ بینی کی مشق کی۔ پھر دس بارہ دن تک دیے کی روشنی میں پرچھائیں پر نظریں جمانے کی کوشش کی۔ اب صورت یہ ہے کہ ایک نورانی شکل سر سے پاؤں تک نور ہی نور۔ پس پشت دیکھتا ہوں (سامنے نہیں) بندہ اس شکل کو ہمزاد کے نام سے پکارتا ہے اسی رمضان المبارک میں ایک وقت مقرر کر کے تسخیر ہمزاد کے ارادے سے درود شریف کا وظیفہ شروع کیا۔ پچیس تیس روز کے بعد ایک رات گنبد خضرا اور خانۂ کعبہ کی بھی زیارت ہوگئی۔

اب ذرا محمد اسلام (اردو اقامتی کالج کراچی) کا بیان سنیے۔ فرماتے ہیں کہ:
عمل ہمزاد کا تجربہ کیا۔ جو سو فی صدی کامیاب رہا۔ میرا طریقہ یہ تھا کہ دھوپ میں اپنے سائے پر نظر جما دیتا اور پھر اوپر دیکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر لیتا تو مجھے اپنے ہی جسم جیسا سرخ ہیولا نظر آتا۔ یہ ہیولا بہت صاف اور واضح تھا۔ یہ تجربہ میں نے کئی مرتبہ کیا اور کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور کوشش کی یعنی اپنے فوٹو کے منفی (نگیٹو) حصے کو صاف چکنے سفید کاغذ پر رکھ کر دھوپ میں چند منٹ تک پلک جھپکائے بغیر دیکھا اور پھر فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں تو فوٹو اپنی اصلی شکل میں نظر آنے لگا۔

گلزار خان کا مشاہدہ اور بھی دلچسپ ہے، لکھتے ہیں کہ:
حسب اجازت حضور۔ میں نے عمل ہمزاد (سایہ بینی) شروع کیا تھا۔ اسے ایک مہینہ گزر چکا ہے۔ دل کیف و سرور سے پر ہے۔ ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ اس روز پہلے چارپائی پر لیٹ کر سایہ بینی کی باطنی مشق کر رہا تھا کہ باہر کھٹکا سا ہوا۔ جونہی آنکھ کھلی تو لالٹین کی ہلکی سی روشنی میں مجھے ایک شخص نظر آیا (یہ شخص میرا ہم شکل

شکل نہ تھا البتہ) کافی قدآور اور جسیم تھا۔ تقریباً دو منٹ تک میں اسے دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا۔ پھر یہ دیوزاد وجود آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

منشی فضل الٰہی وارڈ جھنڈا گوجر خاں میونسپل کمیٹی کے بیانات بھی قابلِ توجہ ہیں :

جناب رئیس! بندہ آپ سے تسخیر ہمزاد کے عمل میں امداد کا خواہاں ہے۔ میرا عمل جہاں تک پہنچا ہے۔ اس کی تفصیل عرض کر دوں تاکہ جناب کو بندے کی استعداد کا علم ہو جائے۔ آئندہ آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کی رہنمائی میں خداوندکریم اپنے فضل وکرم سے مجھے ضرور کامیابی بخشے گا۔ آپ میری رہنمائی بھی کریں۔ دُعا بھی فرمائیں۔ عرض یہ ہے کہ میں نے یہ عمل سید محمد خواہرزادہ شیخ صاحب خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "کتاب مسمریزم" پڑھ کر شروع کیا تھا۔ اور اب تک اس پر عامل ہوں۔ یہ عمل ماہ مئی ۱۹۶۹ میں ایک پہاڑی علاقے کے اندر شروع کیا گیا تھا طریقۂ عمل یہ ہے کہ پشت کی طرف چراغ رکھ کر سائے کی گردن پر نظر جمادی اور اسم مبارک "یالطیف" کا وظیفہ شروع کر دیا۔ روزانہ اکیس تسبیحیں پڑھی جاتی ہیں اوّل اوّل ہمزاد کھلی آنکھیں ہوں یا بند۔ ہاف ٹون تصویر کی شکل میں نظر آتا تھا۔ جب دو تین مہینے گزر گئے تو آسمان پر خلا میں بھی نظر آنے لگا مگر نظر جمانے پر اِدھر اُدھر بھاگ جاتا تھا۔ آخر کار اس کی بھاگ دوڑ ختم ہو گئی اور فضا میں قائم ہو گیا۔ بہت کم اِدھر اُدھر سرکتا تھا۔ ماہ اکتوبر ۱۹۶۹ء سے پہاڑی علاقہ چھوڑ کر گوجر خاں کے میدانی علاقے میں آگیا اور اس جگہ دھوپ میں (سائے کی گردن پر نظر ہی جما کر) وہی عمل کرتا ہوں۔ سائے پر کچھ دیر نظر جمانے کے بعد آنکھیں بند کر لیتا ہوں اور سائے کا تصور کرتا ہوں تو ہمزاد کی پوری تصویر نظر آجاتی ہے۔ مگر اس کے پاؤں اور ٹانگیں نہیں ہوتیں (گویا ہمزاد ابھی ادھورا ہے) اس کی تصویر کبھی سُرخ کبھی

سیاہ اور کبھی سفید ہوتی ہے۔ چہرہ۔ ناک۔ آنکھیں۔ مُنہ اور ہونٹ صاف دکھائی دیتے ہیں
پھر دُوسری تصویریں نظر آتی ہیں جو لکیروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ خلا پر۔ زمین پر۔ دیوار پر
پر آنکھیں بند کر کے توجہ مرکوز کروں تو ہمزاد کی ہاف ٹون تصویر نظر آتی ہے اور شب میں
توجہ کرنے پر روشن تصویر!

اسی طرح اگر رضائی اوڑھ کر لیٹ جاؤں تو رضائی کے اندر خود بخود روشنی پھیل جاتی
ہے۔ آنکھیں کُھلی ہوں یا بند۔ ہمزاد نظر آنے لگتا ہے۔ اور وہ کسی قدر متحرک ہوتا ہے۔
آنکھیں بند کر کے تو ہمزاد کی تصویر کا نظر آنا لازمی ہے ہی۔ اگر آنکھیں کھول کر بھی توجہ
کروں تو چند منٹ بعد وہ شبیہہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اِس عمل سے پہلے خواب نہ دکھائی
دیتے تھے۔ اَب دکھائی دیتے ہیں اور یاد بھی رہتے ہیں۔ اَب اِتنی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ
نصف گھنٹے سے ڈیڑھ گھنٹے تک ساتے پر نظر میں جما سکوں۔ اس وقت صورت یہ ہے
کہ جنگل میں سوا گھنٹے سے لے کر ڈیڑھ گھنٹے تک ساتے پر نظر جما کر اور پھر آنکھیں بند
کر کے ہمزاد کی شبیہہ دیکھ سکتا ہُوں۔ کبھی کبھی ہمزاد کی تصویر غائب ہو جاتی ہے اور
دُوسری شکلیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ ہیں منشی فضل الٰہی کے بیانات۔ ان سے اندازہ
ہوتا ہے کہ وہ صرف ہمزاد کی خیالی یا حقیقی جھلک دیکھتے ہیں۔ اصلی ہمزاد اُن کی دسترس
سے بہت دُور ہے۔ درحقیقت یہ عملیات بہت پیچیدہ ہیں۔ ان کی تکمیل کی شرطیں ٹیڑھی
اور ان کے اسرار نامعلوم ہیں۔ ایسے بہت سے افراد کے خطُوط پڑھ چکا اور بیانات
سُن چکا ہُوں۔ جنھوں نے تسخیرِ ہمزاد کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ جب بھی کوئی صاحب
تسخیرِ ہمزاد کے عمل کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ مَیں معذرت چاہ لیتا ہُوں۔ انھیں
بتلا دیتا ہُوں کہ آپ سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ پرچھائیوں کا تعاقب کرنے
سے حقیقتیں نہیں ملتیں۔ ہمزاد کے ایک اور ناکام تجربے نے حالات امجد نیازی
(مردان۔ خط مؤرخہ ۲۱ مئی ۱۹۶۹ء) کی زبانِ قلم سے سُنیے:

امشب

آج میں آپ کو ایک اور تکلیف دے رہا ہوں۔ اُمید کہ آپ اس کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کر سکیں گے۔ یعنی ہمزاد (PROTOTYPE) کیا ہوتا ہے؟ کیا اس "پروٹوٹائپ" کو مسخر کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں مجھے ایک مختصر سا تجربہ ہُوا۔ عرض ہے:

مَیں نے "پروٹوٹائپ یا ہمزاد" پر قابو پانے کے لیے یہ عمل شروع کیا کہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر اپنی پشت پر چراغ اِس طرح رکھ لیتا تھا کہ سامنے میرا سایہ مجھے صاف دکھائی دے۔ یہ عمل آدھی رات کو کیا جاتا تھا اور کھڑے ہو کر کرتا تھا۔ وظیفے کا لفظ تھا "امشب" اِس لفظ یعنی (کی ورڈ) کو دورانِ عمل ڈھائی ہزار مرتبہ پڑھتا تھا۔ مَیں نے اس عمل کے لیے پانچ سو دانوں کی تسبیح بنوائی تھی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی کام پر مکمل توجہ صرف کی جائے تو کامیابی سو فی صدی یقینی ہے۔ خواہ وہ رُوحانی عمل ہو یا شیطانی! ہپناٹزم ہو یا مسمریزم! لیکن افسوس کہ انسان کسی کام پر پُوری توجہ نہیں دیتا۔ اس لیے ناکام رہتا ہے۔ جب میں نے عمل تسخیرِ ہمزاد شروع کیا تو مجھے اپنی کامیابی کا پُورا اور پکّا یقین تھا۔ جب سائے پر نظر جمائی تو اس کے اندر سے ایک اور سایہ نمودار ہُوا۔ پہلا سایہ سیاہ تھا یہ سفید! سائے کے کونوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ اِدھر اُدھر ہل جل رہا تھا۔ پہلے دن یہی عجوبہ نظر آیا۔ دُوسرے روز سیاہ پرچھائیں میں سفید عکس کی طرح نمایاں ہو گیا۔ تیسرے روز عمل تسخیر ہمزاد شروع کیا تو اندر سے آواز آئی کہ "عمل امجد جاوید! یہ راستہ خطرناک ہے۔ اِسے چھوڑ دو۔ کہیں پاگل نہ ہو جاؤ۔ چوتھے روز دورانِ عمل محسوس کیا کہ کوئی غیبی طاقت مجھے اس جرأت سے روک رہی ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اب میرے ذہن میں عجیب کشمکش پیدا ہو گئی۔ دماغ یہ کہ

تھا کہ چونکہ عمل ہمزاد میں کامیابی نصیب ہونے والی ہے۔ اس لیے کوئی غیبی طاقت عمل سے روک رہی ہے۔ پھر عجیب و غریب خوابوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا کہ میرے تمام جذبات و احساسات جاگ اُٹھے۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ عنقریب کسی بہت بڑی مصیبت میں مُبتلا ہونے والا ہوں۔ ادھر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سایہ دن بدن میرے قابو میں آتا چلا جا رہا ہے۔ اَب وہ اپنے مقام پر قائم تھا۔ کبھی ایک دم سفید ہو جاتا۔ کبھی نظر سے اوجھل ہو جاتا۔ تب دماغ نے آخری فیصلہ کیا کہ امجد! اس عمل کو چھوڑ دو۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے!

بلائے بد

عمل ہمزاد میں عبدالواحد (خضری اسٹیٹ) کا واسطہ ایک بلا سے پڑ گیا۔ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص نے بتایا کہ سورۂ نور (اللہ نور السمٰوات والارض سے لے کر شیئ علیم تک) پڑھیں۔ اوّل و آخر ایک ایک تسبیح درود شریف کی! اور پھر اس عمل کی ایک تسبیح! اس کی مدّت ایک ہفتہ ہے۔ ایک ہفتے میں کام نہ بنا تو پھر چلّہ پورا کرنا پڑے گا۔ مَیں نے عمل اور وظیفے کو ذہن نشین کر لیا۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ وہاں نماز پڑھ کر وظیفہ خوانی شروع کی۔ ابھی سورج نکلنے میں دیر تھی۔ تھوڑی دیر بعد بائیں سمت سے ایک ایسی آواز آنے لگی۔ جیسے موٹر یا لاری آ رہی ہو۔ شُبہ گزرا کہ شاید یہ چکّی چلنے کی آواز ہے۔ اس طرف کچھ گھر واقع تھے۔ اِس لیے چکّی کا خیال آیا۔ پھر مَیں نے محسوس کیا کہ میرا بایاں پہلو گرم ہو رہا ہے۔ جُوں جُوں وظیفہ پڑھتا جاتا تھا۔ بائیں پہلو کی گرمی اور آنچ (جیسے آگ) میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اَب یہ آنچ ناقابلِ برداشت تھی۔ میری حالت قابلِ رحم ہوگئی، سوچا بھاگ جاؤں۔ دماغ نے کہا کہ بھاگے اور مرے! لہٰذا بادل ناخواستہ

وظیفہ جاری رکھا۔ مگر یہ گرمی اس قدر شدید ہوگئی کہ اندر ہی اندر جلنے بھننے لگا۔ میں سمجھا کہ جس بلا کو آنا تھا۔ وہ آگئی۔ وہ نہ موٹر کی آواز تھی نہ چکی کی۔ اس بلائے بد کی صدائے پائی جو وظیفہ خوانی کے اثر سے میری طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا دل تمام جسم سے الگ دھڑک رہا ہے۔ حیران تھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ اب ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ داہنے پہلو کی طرف کچھ کشمکش سی ہوئی اور اُدھر سے ایک چیز نکل کر سامنے کی طرف آگئی۔ وہ کوئی گول چیز معلوم ہوتی تھی۔ جس کے سر اور مُنہ کا پتا نہ ہو۔ البتہ اس کی سائیں سائیں کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔ وہ زمین سے تین چار انچ اُوپر تھی۔ اسی کے برابر ایک اور چیز نمودار ہوئی۔ وہ بھی گول مٹول تھی مگر حجم میں کم۔ وہ اس قدر قریب تھی کہ میں اس کے تھپڑ مارتا تو ضرور لگ جاتا۔ خیال تو آیا کہ ایک تھپڑ رسید کردوں۔ مگر پھر سوچا کہ تیرا کیا جاتا ہے؟ تو اپنے کام سے لگ! چنانچہ میں چپ چاپ وظیفہ پڑھتا رہا۔ خوف کے سبب میں وظیفے کے لفظوں کی ادائیگی میں غلطی کر جاتا تھا۔ مگر پھر تصحیح کر لیتا۔ ناگہاں چکر آنے لگے۔ ایسی مصیبت کہ خدا کی پناہ۔ خدا خدا کر کے تسبیح ختم کی اور دُعا مانگ کر گھر چلا آیا۔ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو پورا قصہ سنایا۔ وہ خفا ہونے لگے کہ ایسے خطرناک وظیفے کیوں پڑھتے ہو؟ میں خاموش ہو رہا اور جن صاحب نے تسخیرِ ہمزاد کا عمل بتایا تھا۔ انھیں جا کر پورا واقعہ سنایا۔ کہنے لگے۔ کچھ بھی نہیں تم خواہ مخواہ ڈر گئے ہو۔ وظیفہ ضرور پڑھو۔ چنانچہ دوسرے روز پڑھا۔ اس روز کوئی عجیب بات پیش نہیں آئی۔ آخر لوگوں نے اصرار کر کے وظیفہ بند کرا دیا۔ لیکن بہت دن تک بایاں پہلو گرم رہتا اور بائیں آنکھ کے کونے سے وہی گول مٹول شکل نظر آتی رہتی۔ آخر زندگی سے تنگ آ گیا۔ سوچا خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر پڑ رہوں۔ انھیں کی توجہ سے کامیابی نصیب ہو گی۔ چنانچہ مٹھن کوٹ جا کر حضرت کے مزار مبارک پر جا پڑا۔ تب کہیں اس بلائے بد سے نجات ملی اور ہمیشہ کے لیے تسخیرِ ہمزاد کے خبط سے تو

مدینہ منوّرہ کے جنّات

جناب خالد اسحاق - پاکستان کے مشہور وکیل - ماہرِ قانون اور اسلامیات کے عالم ہیں (خوش نصیبی سے ہم انھیں کے ہمسایہ ہیں) خالد اسحاق صاحب کے رفیقِ کار مولوی محمد طاہر صاحب نے مجھے محمد ابراہیم کا ایک خط دکھلایا، محمد ابراہیم مدینہ منوّرہ میں مقیم ہے اور موٹر مکینک کا کام کرتا ہے۔ محمد ابراہیم نے اس خط میں لکھا ہے کہ :

جون کی پندرہ تاریخ کو ہمارا گیراج بک گیا تھا۔ یکم جولائی کو ہم سب کا حساب بیباق کر دیا گیا اور ہم سب بیکار ہو گئے۔ باب المعالی ایک مقام ہے۔ وہاں ملتان کے چند خاندان آباد ہیں۔ ان کے پاس تین گاڑیاں ہیں۔ دو بیوک اور ایک فوکس ویگن - ان گاڑیوں میں کچھ مرمت کا کام تھا۔ انھوں نے مجھے بلالیا۔ میرے ساتھ ایک شخص عبد الستار نامی اور بھی تھا۔ اس کو بھی میں نے کام پر لگا لیا۔ ان لوگوں کے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے۔ اس کے سائے میں ایک گھر ہے۔ وہ مکان ان کے رشتہ داروں کا ہے۔ خالی پڑا تھا۔ ہم نے زیرِ مرمت گاڑیوں کے پرزے اور اپنے اوزار اس خالی گھر میں رکھ دیتے۔ ہاں یہ بتادوں کہ گاڑی کے مالک کا نام ہے مظہر حسین! ایک دن کام کرتے کرتے رات ہو گئی۔ ہم وہیں سو گئے۔ کوئی بات پیش نہیں آئی۔ وہ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسری رات کو بھی وہیں رکنا پڑا۔ تقریباً پندرہ سولہ آدمی اس مکان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کچھ دیر بعد چند آدمی جانے لگے۔ تو میں اور دو تین آدمی انھیں چھوڑنے کے لیے دروازے تک آئے۔ مجھے اپنے پتلون کی دائیں جانب کچھ گرمی محسوس ہوئی۔ خیال نہ کیا۔ پھر پتلون کی جیب اور گرم ہو گئی۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پتا چلا کہ نماز پڑھنے کی ٹوپی جو پتلون کی جیب میں رکھی تھی، وہ سُلگ رہی ہے۔ میری بیچ کی انگلی جل گئی۔ ٹوپی سے ایک شعلہ نکلا میں نے جلتی ہوئی ٹوپی کو پھینک دیا۔ حیرت کہ پتلون کی جیب میں ماچس تک نہیں۔ یہ ٹوپی میں

آگ کیسے لگ گئی؟ خیر کسی نے کچھ رائے قائم کی، کسی نے کچھ۔ رات گئے سب لوگ چلے گئے۔ اور ہم تین رہ گئے۔ مَیں عبدالستار اور مظہر حسین۔ میری آنکھ لگ گئی۔ وہ دونوں جاگ رہے تھے۔ اچانک، اندر کے کمرے میں کسی کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ دونوں ڈر گئے۔ یکایک عبدالستار کو ایسا محسوس ہُوا جیسے کسی نے اس کو باندھ دیا ہے۔ وہ نہ اپنے جسم کو ہلا سکتا تھا نہ ہل سکتا تھا۔ ہاں اس کی آنکھیں ضرور کھلی ہُوئی تھیں۔ مظہر نے عبدالستار کو جگانے کے لیے زور سے پکارا پہلے تو کوئی جواب نہ ملا۔ پھر عبدالستار نے نحیف آواز میں بتایا کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مَیں بندھا ہُوا ہُوں۔ مظہر نے ستار سے کہا کہ اچھا۔ تُم میری برابر آ کر لیٹ جاؤ۔ میری آنکھ بھی کُھل چکی تھی۔ الغرض ہم تینوں برابر برابر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص دروازے کے قریب کھڑا ہے۔ اس کا قد ہمارے گھر کی ٹنکی مزاکے برابر تھا۔ اس کی پرچھائیں دروازے کی جھریوں میں سے نظر آ رہی تھی۔ جب ستّار نے اس کو دیکھا تو پکار کر پُوچھا۔ تُم کون ہو۔ پتہ نہیں۔ اس نے کس زبان میں جواب دیا۔ مگر جواب ضرور دیا اور دروازے پر ڈٹا کھڑا رہا۔ ستّار نے دوبارہ کہا کہ اگر تمھیں ہمارے اس مکان میں رہنے سے تکلیف ہُوئی ہے تو ہم چلے جائیں گے۔ کوئی جواب نہ ملا۔ پھر کوٹھڑی کے اندر سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ ابھی ہم غرقِ حیرت تھے کہ میرے قریب ایک جگہ لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا اس میں سے آوازیں نکلنے لگیں جیسے کوئی لکڑیاں مروڑ رہا ہے۔ توڑ رہا ہے۔ میں نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا تو مجھے دروازے میں سایہ کھڑا نظر آیا۔ مَیں نے ستّار سے پُوچھا یہ کون ہے؟ ستّار نے کہا۔ نہ جانے کون ہے۔ ابھی مجھ سے جناتی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد اندر کے کمرے میں سُرخ رنگ کی روشنی ہوگئی (واضح ہو کہ اس گھر میں بجلی نہیں ہے) اور اتنی تیز کہ ہر طرف سُرخی چھا گئی۔ اندر سے تیز تیز آوازیں بھی آنے لگیں۔ ہم تینوں نے آیۃ الکرسی اور درود شریف پڑھنا شروع کیا تو روشنی بند ہوگئی۔ لیکن کمرے میں دھمال (رقصِ مستانہ)

شروع ہوگیا۔ اور پھر کسی نے اِتنے زور سے دھکّا مارا جیسے وہ دروازہ توڑ کر ہمارے
پاس آجائے گا۔ ہم دونوں پہلے ہی ڈر کے مارے پیلے پڑ گئے تھے۔ اُوپر سے یہ خوفناک
دھکّا! بس تینوں کے مُنہ سے چیخ نکل گئی۔ نذر ملتان کا رہنے والا ایک شخص ہے جو مدینہ
منوّرہ میں آباد ہوگیا ہے۔ یہ شخص بہت سے پاکستانیوں کو سعودی عرب لے کر آیا
ہے۔ نذر کی والدہ چھت پر سو رہی تھیں۔ اُنھوں نے ہماری چیخیں سُنیں تو فوراً اُٹھ کر
دیکھا۔ ان کو بھی وہ سایہ دروازے پر نظر آیا۔ سایہ ایک لمبا کُرتا پہنے ہوئے تھا۔ ہماری
پہلی چیخ پر سایہ پیچھے کی طرف ہٹ کر غائب ہوگیا۔ اِتنے میں نذر بھی ڈنڈا لے کر آگئے
انھوں نے پُوچھا۔ کیا بات ہے؟ ہم نے پُورا قِصّہ سُنایا۔ یہ شور و غُل سُن کر اور لوگ
دوڑے اور اس گھر میں پچّیس تیس آدمی جمع ہوگئے۔ نذر نے کہا۔ کچھ نہیں۔ تُم نے کوئی
ڈراؤنا خواب دیکھا ہے ہم نے کہا کہ ایسا کرو سب بیٹھ جائیں۔ ابھی معلوم ہوجائے گا۔ کیا
بات ہے؟ لٰہذا سب لوگ صحن میں بیٹھ گئے۔ چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ اندر کے کمرے
میں پھر سُرخ روشنی جگمگانے لگی۔ (یہ روشنی ویسی ہی تھی۔ جیسے میری نماز والی ٹوپی کے جلنے
سے پیدا ہوئی تھی) ساتھ ہی کمرے میں دھمال شروع ہوگیا۔ نادیدہ لوگوں کے چلنے پھرنے
کی آوازیں آنے لگیں۔ اَب ہم صرف تین نہیں پچیس تیس آدمی موجود تھے ہم لوگ کبھی
اندر آجاتے کبھی باہر بھاگ جاتے۔ چھ سات بار اس مجمع میں یہی بھگدڑ مچی۔ آخر خُدا
خُدا کر کے صبح ہوئی ناشتہ کے بعد نذر نے کہا یہ مدینہ شریف ہے اور یہاں پر اس
کثرت سے جنّات ہیں کہ اگر ظاہر ہوجائیں تو ہم لوگوں کے رہنے کے لیے تل بھر جگہ
نہ رہے۔ یہ جنّ کسی کو ستاتے نہیں۔ فائدہ ہی پہنچاتے ہیں۔ خیر اَب اس وقت
یہ فکر چھوڑ دو۔ اَب ہم یہاں جمعرات کو جمع ہوں گے اور دیکھیں گے کہ کیا پیش آتا ہے
چنانچہ شب پنج شنبہ میں ہم تمام لوگ اِس جنّ زدہ مکان میں جمع ہوئے۔ کوئی آدھی
رات گذری ہوگی کہ اندر کے کمرے سے پہلے کی طرح عجیب عجیب آوازیں آئی

شروع ہوگئیں۔ آوازوں کا ہنگامہ شروع ہوتے ہی ہم نے گلی والا دروازہ بند کردیا۔
خیر صاحب! پھر یہ آوازیں روشنی میں تبدیل ہوگئیں۔ کمرے کی روشنی طرح طرح کے
رنگ بدلنے لگی۔ کبھی ہرا، کبھی پیلا، کبھی نیلا پھر ایک دم روشنی کا رنگ سرخ ہوگیا۔ ایسا
لگنے لگا جیسے اندر کمرے میں خون برس رہا ہے۔ اِدھر کمرے میں روشنی کا یہ تماشا ہورہا
تھا اُدھر باہر کے دروازے پر وہی سائے کا دیو پھر آ کھڑا ہوا۔ یکایک یہ محسوس ہوا کہ
کمرے کے اندر تلواریں چل رہی تھیں اور ان سے چنگاریوں کی بارش ہورہی تھی۔ ہر لمحہ
خطرہ تھا کہ یہ کمرہ جل جائے گا۔ لوگ یونہی خوف زدہ تھے۔ اس منظر سے اور چیخیں نکلنے
لگیں۔ اب ہم اندر باہر سے محصور تھے باہر دروازے پر سایہ نما دیو کھڑا تھا اندر کمرے
میں جنّوں کی شمشیر زنی ہورہی تھی۔ قیامت کا منظر تھا۔ سب سجدے میں گر گئے۔ ناک
رگڑنے لگے۔ لوگ توبہ تلاّ میں مصروف تھے۔ کافی دیر تک یہی قیامت قائم رہی۔ آخر
روشنی ختم ہوگئی۔ اندر کے کمرے کا دروازہ کسی قدر کھلا اور کسی بچّے نے باہر کی طرف
جھانکا۔ وہ بچّہ سلیم کی برابر تھا۔ آدھا کمرے میں آدھا باہر۔ ہم سے بس تین چار گز
کا فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکا بڑھنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا سر چھت
سے جا لگا۔ پھر سب دہشت سے چیخنے چلّانے لگے اس کے بعد دروازہ بند ہوگیا۔
پھر ہمارے سامنے ایک لکڑی آ کر گری۔ وہ لکڑی بلّی[1] بن کر بھاگ گئی۔ بعد ازاں
کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ایک عورت کی آواز آئی۔ تعل عبدالستار تعل انا اشرب
الدم (عبدالستار ادھر آ۔ ادھر آ۔ میں تیرا خون پیوں گی) اس کے بعد عورت (جنّیہ)
نے تمام گفتگو عربی میں کی۔ پھر عورت کی آواز بند ہوگئی۔ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک
عورت گلی کے دروازے پر کھڑی ہے یہاں آ کر اس نے پکار کر کہا کہ عبدالستار ابراہیم

---

[1] جنّوں کو بلّی اور سانپ کا روپ دھارنے میں کمال حاصل ہے۔

اور مظہر حسین تینوں باہر آجائیں۔ میں ان تینوں کا خون پیوں گی۔ جنیہ (عورت) کی یہ دھمکی سن کر ہم تینوں کا خون خشک ہوگیا۔ نذر موجود تھا۔ اس نے جن عورت سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ :

تجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ڈر نہیں ہے؟ ہم آنحضرتؐ سے تمھاری شکایت کریں گے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی عرض کریں گے لیکن وہ جنیہ اس بات پر اڑی رہی کہ میں ان تینوں کا خون پیوں گی۔ تم انھیں گھر سے باہر نکال دو۔ نہ نکالا تو سب کو مار ڈالوں گی۔ یہ کہہ کر وہ دروازے کو باہر سے دھکا دینے لگی ہم سب دروازے کو روکے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ تھوڑا بہت دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ اُدھر وہ ایک جن عورت تھی اور ادھر پچیس تیس مرد۔ آخر نذر نے وعدہ کیا کہ کل ایک آدمی (خون پینے کے لیے) تمھاری بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔ فی الحال تم چلی جاؤ۔ جن عورت نے کہا کہ دیکھو۔ تم ضامن ہو۔ نذر نے اقرار کیا کہ میں ضامن ہوں۔ ضمانت دیتا ہوں۔ بعد ازاں وہ چلی گئی۔ اور ہم باہر آگئے۔ ہم باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے کے مکانوں پر بڑے بڑے پرندے اُلّو کی طرح کے آکر بیٹھ گئے۔ اور ہم سب کو دیکھ کر خوفناک آوازیں نکالنے لگے۔ ہم سب نے جو یہ منظر دیکھا تو جان بچانے کو اندر آگئے۔ دروازہ بند کرلیا۔ وہ عورت پھر دروازے پر آئی اور نذر کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ :

تم جھوٹے ہو۔ تم حرام زادے ہو۔ کل کوئی نہیں آئے گا۔ مجھے تو آج ہی ان کا خون چاٹنے دو۔ ہم نے اس سے بہت بحث کی۔ بڑی معافیاں چاہیں۔ سب کا نام لے کر ڈرایا۔ مگر وہ نہ مانی۔ آخر کہنے لگی کہ میں تمھیں آدھے گھنٹے کا وقت دیتی ہوں۔ تم ان تینوں کو اندر چھوڑ کر باہر چلے جاؤ۔ ورنہ سب کو قتل کر ڈالوں گی۔ یہ دھمکی دے کر وہ غائب ہوگئی۔ اب تہجد کا وقت شروع ہو رہا تھا لہٰذا ہم تینوں (میں،

عبدالستار اور مظہر حسین) ایک گاڑی میں بیٹھ کر حرم شریف (روضہ نبوی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) میں آگئے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں تمام ماجرا عرض کیا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت ابُوبکر صدیق رضؓ سے اُس قاتل جنّیہ کی شکایت کی۔ اس کے بعد بھی دو تین چھوٹے موٹے واقعات پیش آئے۔ باقی امن رہا۔ البتّہ خوف سے اَب تک آزاد نہیں ہو سکا۔ جب تک کوئی آدمی ساتھ نہ ہو۔ کہیں باہر تک نہیں جاتا۔ اکیلے کمرے میں قدم نہیں رکھتا۔ بس ہر وقت اللہ تعالیٰ سے بہ طفیلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنی سلامتی اور خوف دُور ہونے کی دُعا کرتا رہتا ہُوں۔ آپ بھی میرے لیے دُعا کریں کہ خدا مجھے بحفاظت رکھے۔ یہ ہے مستری محمد ابراہیم موٹر مکینک کا خط۔ جو اس نے مدینہ منوّرہ سے اپنی والدہ کو بھیجا ہے۔ یہ خط مجھے مولوی محمد طاہر صاحب نے دکھایا جو میرے دوست جناب خالد اسحاق صاحب سابق ایڈوکیٹ جنرل کے علمی رفیقِ کار ہیں۔ میں نے محمد ابراہیم کے خط کی نقل لے کر اصل واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے کی نسبت کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ محمد ابراہیم کا خط نجی تھا۔ اس نے اپنی والدہ کو لکھا تھا۔ بے چارے کے سان گمان میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ خط رئیس امروہوی کی نظر سے گزر سکتا ہے۔

۱۷ / اگست ۱۹۷۳ء جمعہ۔ کراچی

آپ نے مدینہ منوّرہ کے جنّات کے بارے میں ابراہیم صاحب کی رپورٹ پڑھ لی اب آئیے ایک حیرت انگیز خط کا مطالعہ کریں۔ جو آج کی ڈاک سے وصول ہُوا ہے:

م۔ س۔ اختر (بہاولپور سے) لکھتے ہیں کہ:

جنّ کے گھر میں

یہ ہندوستان کے شہر ناگپور کا واقعہ ہے۔ میں والدین کے ساتھ ماموں کے گھر آیا ہُوا تھا۔ ماموں کا گھر سڑک سے کچھ پیچھے ہٹ کر تھا۔ سڑک اور گھر کے درمیان خالی جگہ میں

پھولوں کی کیاریاں بہاریں دکھلا رہی تھیں۔ ایک روز میں شام کو گھر کی سیڑھیوں پر تنہا بیٹھا
تھا کہ میں نے دیکھا سڑک سے والدِ بزرگوار گزر رہے ہیں ۔ اُنھوں نے مجھے اشارہ کر کے
بلا لیا اور آگے چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ ابّا جی جب بھی مجھے سیر کرانے لے جاتے
تھے تو ہمیشہ میرے برابر آہستگی کے ساتھ چلتے۔ لیکن اس روز خلافِ معمول وہ آگے ہی
ہے اور مجھ سے کوئی گفتگو نہ کی۔ چلتے چلتے سڑک ختم ہوگئی۔ اِس کے بعد ہم ایک میدان
ے گزرے۔ میدان سے گزر کر ایک تنگ اور گنجان بازار سا آیا۔ نہ یہ راستہ میرا دیکھا ہُوا
مانہ میں کبھی اس بازار میں آیا تھا۔ اس بازار میں ایک مکان تھا۔ سڑک سے کم سے کم
ن فٹ اُونچا۔ مکان کے سامنے جعفری لگی ہُوئی تھی۔ اس جعفری میں ایک دروازہ
۔ جو برآمدے میں کُھلتا تھا۔ مکان نہ بہت چھوٹا تھا نہ بہت کچّا، لیکن صفائی بہت تھی۔
ں دُھول کا ایک ذرّہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ ابّا جی برآمدے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے
دسے کچھ پیچھے ہٹ کر میں بھی کھڑا ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہُوں کہ اندر سے ایک بُزرگ
ریف لا رہے ہیں۔ سفید داڑھی، سُرخی مائل گورا رنگ۔ بہت اچھی صحّت۔ سفید صاف
بسادہ کپڑے پہنے ہُوئے۔ ہاتھ میں تسبیح تھی کچھ پڑھ رہے تھے۔ اُنھوں نے ابّا جی سے
، کلام نہ کیا۔ البتّہ ابّا جی نے مجھے اِن کے سامنے کرتے ہُوئے کہا کہ یہی وہ لڑکا ہے
ں کے لیے آپ فرما رہے تھے۔"

بُزرگ نے بڑی پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ مسکرائے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مگر
ن سے کچھ نہ کہا۔ بدستور کچھ پڑھتے رہے۔ پھر مجھے اندر لے کر گئے۔ اندر بھی گھر کچّا تھا
صفائی کی کوئی حد نہ تھی۔ وہاں ایک چھپّر پڑا تھا۔ چارپائی پر ایک ضعیفہ مائی بیٹھی تھیں۔
کا رنگ زیادہ صاف نہیں تھا۔ اکہرا بدن۔ لباس نہایت اُجلا۔ چارپائی پر کوئی دری
ا اور تکیہ وغیرہ نہ تھا۔ اِن بُزرگ نے اشاروں سے مائی کو میرے بارے میں کچھ بتایا۔
مجھے دیکھ کر بہت خُوش ہُوئیں۔ میں چونکہ اُن لوگوں سے مانوس نہیں تھا اور یہ بھی

ڈر تھا (جیسے بچوں کو ہُوا کرتا ہے) کہ ابّا جی کہیں مجھے چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔ اِس لیے میں رونے لگا۔ مائی نے کہا۔ اِسے مٹھائی دو مٹھائی! اُنھیں کی چار پائی کے اُوپر ایک چھینکا لٹک رہا تھا۔ اِس میں عجیب و غریب قسم کی مٹھائی تھی۔ پیٹھے کی مٹھائی کی طرح ٹکڑے کئی رنگوں کے! جن میں شیشے کی طرح آر پار نظر آرہا تھا چونکہ میں نے ایسی مٹھائی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس لیے اور رونے لگا۔ مائی نے کہا کہ اسے لے جاؤ یہ رو رہا ہے۔ بزرگ اُٹھے۔ اسی طرح تسبیح پڑھتے ہُوئے مجھے باہر لے آئے۔ ابّا جی ایک فرماں بردار نوکر کی طرح وہیں باہر کھڑے تھے۔ وہ مجھے لے کر گھر کی طرف روانہ ہُوئے (لیکن حیرت یہ ہے کہ اَب بھی کوئی گفتگو نہ کی) گھر کے قریب پہنچ کر کہا کہ تُم جاؤ! اور خود آگے نکل گئے۔ میں وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر ان کی راہ تکنے لگا بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ آج میں کہاں گیا تھا اور یہ کون لوگ تھے۔ ابّا جی نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بتایا کیوں نہیں؟ پھر یہ کہ راستے میں کوئی بات بھی نہیں کی۔ میں نے طے کیا کہ جب ابّا جی واپس آئیں گے تو یہ ساری باتیں اِن سے پُوچھوں گا۔ جب ان سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے اندھیرا ہوگیا تو میں گھر کے اندر آیا اندر کمرے میں آکر دیکھتا ہُوں کہ ابّا جی موجُود ہیں اور اماں سے باتیں کر رہے ہیں۔ اِن کے کپڑے بھی وہ نہیں تھے۔ جن میں وہ ملبوس نظر آئے تھے۔ میں نے ایک دم پُوچھا کہ ابّا جی! آپ کب آئے اور مجھے کہاں لے گئے تھے؟ فرمایا کہ آج تو میں سارا دن گھر ہی پر رہا ہُوں باہر ہی نہیں نکلا۔ تب میں نے سارا واقعہ سُنایا۔ کسی نے یقین نہ کیا۔ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تُم نے خواب دیکھا تھا۔

آخر میں صاحبِ مکتُوب نے سوال کیا ہے کہ:

رئیس صاحب! خُدا را بتائیں کہ وہ کون بزرگ تھے اور ان سے ملاقات کس طرح ممکن ہے یہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا؟

کیا آپ اس سوال کا کوئی جواب دے سکتے ہیں؟